راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپی

۱۰۰۰

اطلاع

مصنف موصوف یعنی سید غلام بھیک صاحب بی اے نیرنگ پبلک پراسیکیوٹر انبالہ کی اجازت سے کلام نیرنگ کا یہ ایڈیشن غوث ایجنسی لاہور کے لئے چھاپا گیا ہے۔ اس لئے بموجب ایکٹ اف کاپی رائٹ مجریہ فروری سنہ ۱۹۱۳ء اس مجموعہ کے جملہ حقوق بحق ایجنسی ہذا محفوظ ہیں۔ لہذا کوئی صاحب طبع نہ فرمائیں۔

المطلع

فضل الٰہی پروپرائٹر غوث ایجنسی لاہور

۱۵ - مئی سنہ ۱۹۱۶ء

سید غلام بھیک صاحب نیرنگ بی اے کا وہ کلام جو وقتاً فوقتاً رسالہ مخزن اور دیگر رسالوں میں چھپتا رہا

کلام نیرنگ

کا

دوسرا ایڈیشن

مصنف موصوف کی اجازت اور نظر ثانی سے کچھ اضافہ کے ساتھ

پروپرائیٹر مرغوب ایجنسی لاہور

نے

راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا

بار دوم　　سنہ ۱۹۱۷ء　　قیمت ۸ /
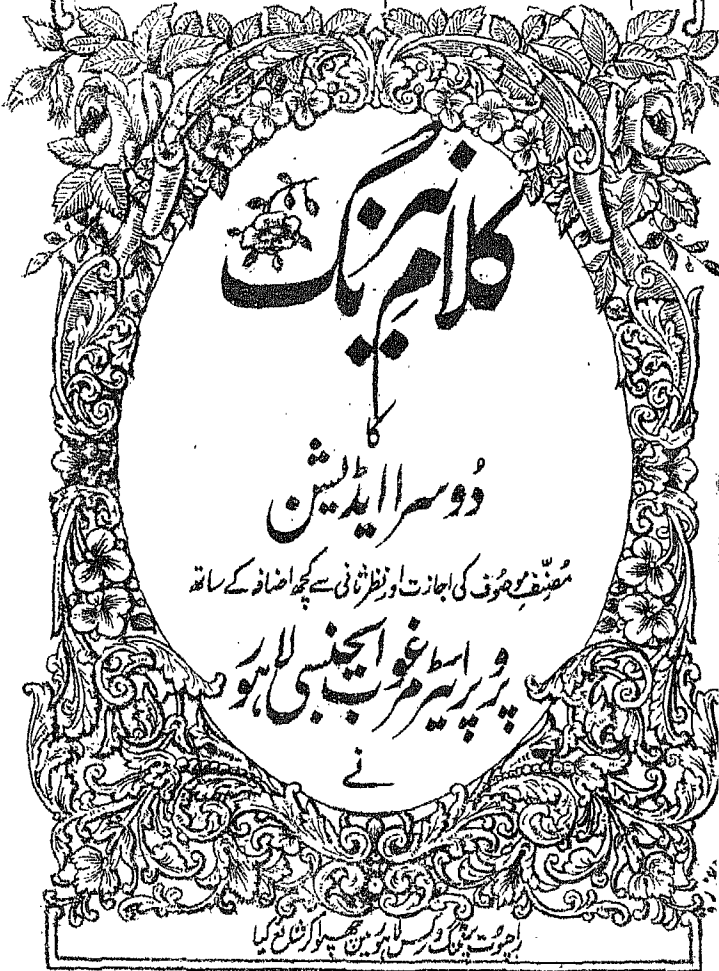
SAYAD GHULAM BHIK NAIRANG B. A., UMBALLA.

سیّد غلام بھیک نیرنگ بی۔ اے

فہرستِ مضامینِ کلامِ نیرنگ

معذرت

نیرنگیٔ زمانہ سے لاعلم انسان ہر چند اپنے ارادوں میں کامیابی کی راہیں نکالنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا لیکن آخر۔ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

مئی سنہ ۱۹۱۴ء کا ذکر ہے جبکہ جناب سید غلام بھیک صاحب نیرنگ بی۔اے (انبالہ) سے کلامِ نیرنگ کے اس ایڈیشن کی اشاعت کے واسطے (بالاصرار) اجازت حاصل کی تھی اس وقت مصمم ارادہ یہی تھا کہ اسے چند ماہ کے اندر ضرور ہی شائع کر دیا جائیگا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال دامنگیر ہوا کہ کسی نہ کسی صورت سے اسے (بحکم نقشِ ثانی) دلچسپ بنایا جائے۔ لہٰذا سب سے پہلے فوٹو کی تلاش ہوئی۔ ایک عرصہ کے بعد گروپ ہاتھ لگا۔ جس سے تصویر ملحقہ لیکر پلیٹ بننے کے لئے بھیجدی گئی۔ پلیٹ کے جلدی نہ تیار ہونے کے لیٹ میں حد سے زیادہ لیٹ ہو گئی۔ اور کچھ مدت تلاشِ کلام کے کام آئی۔ مزید برآں اس مجموعہ کے چھپواتے وقت جو جو دقتیں پیش آتی رہیں انکا اعادہ قصداً نظر انداز کیا جاتا ہے۔ تمام کاپیاں طبع ہو جانے کے بعد اس کے دیباچہ کے لئے مکرمی جناب شیخ عبدالقادر صاحب بی۔اے پبلک پراسیکیوٹر (لائل پور) کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ شیخ صاحب نے لحاظاً ہاں تو کرلی لیکن آپکو عدیم الفرصتی کے باعث چند منٹ دینے دشوار ہو گئے۔ آخر کئی ہفتوں کی پیہم یاددہانیوں سے جناب ممدوح نے تمہید عنایت فرمائی۔

الغرض ان تمام ناگزیر وجوہات کی وجہ سے جس قدر اس مجموعۂ نیرنگ کی اشاعت میں تعویق عمل میں آئی ہے اس کے لئے امید ہے کہ وہ تمام باذاق اصحاب جو ایک عرصہ سے اس کی اشاعت کے منتظر ہیں کُلُّ اَمرٍ مَرھُونٌ بِاَوقَاتِھَا کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہمیں معذور رکھینگے۔ العُذرُ عِندَ کِرَامِ النَّاسِ مَقبُولٌ۔

فضل الٰہی مرغوب رقم پروپرائٹر مرغوب ایجنسی لاہور

یکم فروری سنہ ۱۹۱۷ء

تمہیدِ طبعِ ثانی

کلامِ نیرنگ ایک مختصر مجموعہ کی صورت میں دس سال ہوئے ۱۹۰۶ء میں چھپا تھا۔ اور مخزن پریس لاہور کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ جو دلاویز نظمیں اور دلپذیر غزلیں میر نیرنگ صاحب کے قلم جادو رقم سے نکلکر اُس وقت تک زیبِ اوراقِ مخزن ہوئی تھیں۔ وُہ یکجا کر دی گئی تھیں۔ میر صاحب موصُوف ایسے مختصر مجموعہ کی اشاعت پر راضی نہ تھے۔ مگر میرا یہ خیال تھا اور ہے۔ کہ چند اشعارِ نغز ایک ضخیم مجموعہ بے مغز سے بہتر ہیں۔ وُہ نہیں چاہتا تھا کہ ایسے پُرمعنی تخیّلات ایک ماہوار رسالے کے اوراقِ پریشاں میں بکھرے ہیں۔ اِس لیے میں نے اِصرار کیا کہ یہ مجموعہ باوجُود مختصر ہونے کے چھپ جائے۔ میر صاحب نے بادلِ ناخواستہ اُس وقت اجازت دیدی۔ اِتّفاقاتِ زمانہ دیکھئے۔ اِس کے بعد میر صاحب کی شاعری کا پہلا دَور گویا ختم ہو گیا۔ گذشتہ سالوں میں کوئی ایک آدھ نظم یا غزل اَور کہی گئی ہوگی۔ کیُونکہ میر صاحب وکیل سے سرکاری وکیل ہو گئے اور ہجُومِ کارِ سرکاری نے فرصتِ کاروبارِ شوق سے محرُوم کر دیا۔ مخزن کے زمانہ سابق کے ناظرین جانتے ہیں کہ میر صاحب نہ صرف نظم خُوب لکھ سکتے ہیں۔ بلکہ نثر میں بھی موتی پروتے ہیں۔ مگر نظم و نثر دونو کا باب اِن دنوں مسدُود ہے۔ لوگ اُن کی معذوری کو پُوری طرح سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ مگر مَیں اپنے ذاتی تجربے سے اُنکی معذوری کو خُوب جانتا ہُوں۔ کیُونکہ اُن کے بعد مَیں خُود بھی اسی محکمہ میں سلسلۂ مُلازمت میں آگیا۔ اور تب سے علمی دُنیا سے عملاً منقطع ہو گیا۔ البتّہ یہ آرزو ہے کہ کبھی زمانہ مساعدت کرے تو اِس تعلّق سے فراغت کے بعد پھر ذوقِ علمی کو تازہ کیا جائے۔ اور مَیں سمجھتا ہُوں۔ کہ میرے دوست

دوست میر نیرنگ صاحب کو بھی ضرور یہ دُھن ہوگی۔ اِسی بنا پر میں نے اُنکی سنہ ۱۹۰۶ء تک کی
شاعری کو پہلے دور سے موسوم کیا ہے۔ جس میں کسی آنے والے دُوسرے دَور کی اُمید اور پیشینگوئی
مُضمر ہے۔ خُدا کرے کہ ایسا ہو۔ اور ایک اَور مجمُوعہ اُنکی نظم کا ایسا چھپے جو ہر دو دَور کا جامع ہو۔
لیکن جب تک وُہ وقت نہیں آتا لازم ہے کہ یہ مجمُوعہ اہلِ نظر کے سامنے رہے۔ اِس لئے میرے خیال میں
منشی فضل الٰہی صاحب مرغوب رقم شائقینِ ادبِ اُردو کے شُکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے میر نیرنگ صاحب
سے اُن کا کلام دوبارہ شائع کرنے کی اجازت باصرار حاصل کی۔ پہلے نسخہ کے بھی خطاط
منشی فضل الٰہی صاحب تھے۔ اب دُوسرا نسخہ جو اُنہوں نے اپنے اہتمام سے مرغوب ایجنسی لاہور کی
طرف سے شائع کیا ہے۔ عجب نہیں کہ ظاہری صُورت میں نقشِ اوّل سے بہتر رہے۔ تقطیع پہلے
مجمُوعے سے کسیقدر بڑی رکھی گئی ہے۔ چند نظمیں جو کہیں اَور شائع ہُوئی تھیں۔ تلاش سے
بہم پہنچا کر اضافہ کی گئی ہیں۔ اور قوی اُمید ہے کہ یہ اشاعت بیش از پیش مقبول ہوگی ⁂

لائل پُور۔
دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء

عبدالقادر
سابق ایڈیٹر مخزن

تمہید طبع اوّل

شیخ محمد اکرام صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر مخزن کے روز روز کے تقاضوں نے ناک میں دم کر دیا۔ ایڈیٹر صاحب کی عدالت میں اپیل کرنے سے کچھ حاصل نہ ہُوا وہاں سے بھی شیخ محمد اکرام صاحب کا حکم بحال رہا آخر مجبور ہو کر ان چند اوراق کے شائع کرنے کی اجازت دینی پڑی ورنہ میں اس مختصر مجموعے کو اس قابل ہرگز نہیں سمجھتا کہ اہلِ سخن کی خدمت میں پیش کروں۔

سخن شناس ناظرین کی خدمت میں گذارش ہے کہ میری اس جرأت کو مجبوری پر محمول فرمائیں ؎

انبالہ شہر
۲۲۔ جون ۱۹۰۶ء

نیرنگ

کلامِ نیرنگ

نعرۂ مستانہ

تُو جا بجا ہے۔ تُو سو بسو ہے
تو کو بکو ہے۔ تو مو بمو ہے

ظاہر بھی تُو ہے۔ مظہر بھی تُو ہے
ہر سمت اپنے خود رُو برو ہے

جلوہ بھی تیرا۔ آنکھیں بھی تیری
منظور بھی تُو۔ ناظر بھی تُو ہے

جوئندہ تُو ہے۔ یابندہ تُو ہے
مطلوب تُو ہے۔ تُو جستجو ہے

دارالحرم میں۔ بیت الصنم میں
تیری طلب میں اک ہاؤ ہو ہے

صحنِ چمن میں۔ جنگل میں بن میں
تو رنگ و بُو ہے۔ نشو و نمو ہے

رمزِ نہاں تُو۔ رازِ عیاں تُو
نایاب بھی تُو۔ حاصل بھی تُو ہے

تُو تو کہاں ہے؟ جب میں نہیں ہوں
جو کچھ ہے سو ہے۔ میں ہوں نہ تُو ہے

تیری لگن تھی تو مل گیا سب
نیرنگ کو پھر کیا آرزو ہو

جانِ شیریں

ذیل کی نظم کا انداز بیان اور طرز خیال خود کہدیگا کہ انگریزی نظم کے چمن سے گل چینی کی گئی ہے۔ سوال وہی ہے جسکو انسان ہمیشہ سے دُہرا رہا ہے اور جس کا جواب اس گنبد حیرت میں سوائے ایک گونج کے اور کچھ نہیں ملا ع جانا تو یہی کہ کچھ نہ جانا ہم نے۔
جو کچھ معلوم ہے وہ دوسرے شعر میں ہے۔ باقی ٹیپ قیاس کی تگ و دو۔ چوتھے بند میں نظریۂ فنا فی الاصل سے تمسک کیا گیا ہے اور پانچویں بند میں مسئلۂ تناسخ سے آخر کا بند ناچاری کی تصویر ہے اور ایک آرزوئے محض کا اظہار

(نیرنگ)

اے جانِ عزیز! جانِ شیریں!
معلوم نہ ہو سکا تو کیا ہے؟
معلوم ہے بس یہی کہ مجھ سے
ہونا تجھے ایک دن جدا ہے

پوشیدہ رہا یہ راز لیکن — کچھ کھل نہ سکا یہ بھید کیا ہے؟
کب ۔ کس جگہ ۔ اور کس طرح سے — مجھ سے ترا وصل ہو گیا ہے؟

جب چھوڑ کے تن کے آشیاں کو — کر جائیگی تو کہیں کو پرواز
میرے اس سر کو دست و پا کو — رکھدیں کہیں خواہ میرے ہمساز
کیا قدر رہیگی اس بدن کی — مٹ جائینگے سب ادا و انداز
یہ حسن ہی وصل جسم و جاں تک — ہیں تیرے ہی دم سے عشوہ و ناز

اُڑ جائیگی کس طرف تو پھر — ہوگا کس باغ میں بسیرا؟
سوجھے گا نہ تیرا راستہ بھی — [illegible] پاکا تو ذکر کیا تھا
اس طور سے مجھ میں اور تجھ میں — ہوگا جب تفرقہ یہ برپا
ڈھونڈوں پھر کس جگہ میں جاکر — اس چیز کو میں ہے نام جس کا؟

قید تار نفس سے چھٹ کر — اور توڑ کے عنصروں کا زنداں
اُس نور کے بحر موجزن میں — جس کا نہ کنارہ ہے نہ پایاں

تو جس کا ہے ایک قطرہ گویا — تو جس کی ہے مبتلائے ہجراں
کیا ہوگی فنا اُسی میں جا کر؟ — کیا وصل کے ہونگے پُورے ارماں؟

یا چھپ کے نگاہِ راز جُو سے — پردے میں عدم کے ہو کے مستور
جیسے کوئی راہ سے بھٹک کر — جادُو کے حصار میں ہو محصُور
برسوں تک مُنتظر رہیگی — تا قیدِ طلسم تجھ سے ہو دُور
اور یکدم عدم سے پھر نکلکر — صہبائے وجُود سے ہو مخمور

جائیگی کہاں یہ عقل یہ فکر؟ — جذبات و حواس کیا نہ ہونگے؟
دل جس کو ہے ان سے اسقدر اُنس — کہتا ہے کہ یہ فنا نہ ہونگے
بتلا جب تو ہی تُو نہ ہوگی — کیا ہونگے یہ اور کیا نہ ہونگے؟
ہم تُم ہیں رفیق رنج و راحت — بے اشکِ الم جُدا نہ ہونگے

ہو کر ہی رہیگی یہ جُدائی — ٹلنے کا نہیں یہ وقتِ فُرقت
یہ تفرقہ جب اٹل ہی ٹھہرا — بے سُود ہے شکوہ و شکایت

اچھا بس کوچ کر یہاں سے
دل میں جب تیرے آئے چل دے
مت کہہ مجھے اَلفراق! الاماں
کل صبح وطن کو شاد و خنداں

یہ بھی نہ بتا کہ کب ہے رحلت
جو تجھ کو پسند آئے ساعت
دکھلا مت روئے شام غربت
ملنا مجھ سے بصد مسرت

انسان کی فریاد

ہاں اے فضائے ہستی! مت پوچھ مجھ سے کیا ہوں!
نے مجھ کو جائے ماندن نے مجھ کو پائے رفتن
مجبوریوں نے ڈالا گردن میں میری پھندا
جو میری حاجتیں ہیں ساری مصیبتیں ہیں
صیاد حادثے کا کرتا ہے میرا پیچھا
ہے ذات میری مجمع ساری برائیوں کا
آزادیوں کی مجھ پر تہمت غلط سراسر

اک غصۂ بلا ہوں! اک لقمۂ فنا ہوں!
میں راندۂ قدر ہوں۔ آوارۂ قضا ہوں!
خو کردۂ وفا ہوں جاں دادۂ رضا ہوں
نکبت کی ابتدا ہوں شامت کی انتہا ہوں
مرغ بریدہ پر ہوں صید شکستہ پا ہوں
کہنے کو میں بڑا ہوں لیکن بہت برا ہوں
میں قیدی ہوس ہوں میں بندۂ ہوا ہوں

اک بات ہو بتاؤں اک درد ہو سناؤں
روؤں بھلا کہاں تک کب تک پڑا کراہوں

فریاد کی اجازت ۔ مجھ کو نہ کوئی فرصت
ظاہر ہمہ خموشی ۔ باطن ہمہ بکا ہوں

کمبخت دل کچھ ایسا میں ساتھ لے کے آیا
اک لمحہ جس کے ہاتھوں دنیا میں سکھ نہ پایا

جو جوش اس میں اٹھا حالات نے دبایا
جو شعلہ اس میں بھڑکا تقدیر نے بجھایا

امید کا یہ غنچہ کھلتے کبھی نہ دیکھا
یہ آرزو کا پودا پھلتا نظر نہ آیا

دلسوزیِ خلائق سو بار اس میں امڈی
ابرِ جنونِ الفت سو بار اس میں چھایا

عزمِ رہِ اخوت ہر اک طرح سے ٹھانا
فیاضیوں کا بیڑا سو سو طرح اٹھایا

گو اس میں موجزن تھی قوم و وطن کی الفت
لیکن غرض نے اس کو کچھ اور ہی سکھایا

ہوتی نہیں رسائی امید کے افق تک
طولِ امل نے اسکو اک جال میں پھنسایا

جو آرزو ہو اس کی ناکامی ابد ہے
ارمان اس کا حرماں امید اس کی مایا[1]

پائی نہ ولے اس نے طاقت بقدرِ ہمت
بے اختیاریوں نے یہ روزِ بد دکھایا

کی رہبرِ خرد نے ہر چند رہنمائی
اس جہد پر بھی لیکن کھلتی نہیں سچائی

[1] مایا فلسفہ ویدانت کی اصطلاح میں دھوکے اور سراب کے سے معنے رکھتا ہے ۱۲

پایا نہ میں نے اب تک مقصد کا اپنے ساحل / کی بحرِ معرفت میں دن رات آشنائی
اس جستجو میں میں نے کی سیرِ طور و ایمن / پربت کو گھر بنایا جنگل سے لو لگائی
مندر کو جاکے دیکھا گرجا میں جاکے ڈھونڈھا / مسجد کو چھان مارا اس کی نہ دید پائی
جوگی کا روپ دھارا بن میں کیا گذارہ / تن پر بھبھوت مل کر دھونی بہت رمائی
جپ تپ میں عمر اپنی کی میں نے تیر اکثر / بن بن کے پیر راہب جا خانقہ بسائی
صوفی بھی بن کے دیکھا اور رندِ بے مبا بھی / کر نعرہ انا الحق اک کھلبلی مچائی
پھرتی ہیں ماری ماری مشتاقِ جلوہ آنکھیں / پر اک جھلک سے بڑھ کر دیتا نہیں دکھائی
بیفائدہ ہیں ساری یہ عقل کی تگا پو / تا منزلِ حقیقت ممنوع ہے رسائی

اٹھ جا نظر سے میری ہاں اے حجابِ ہستی! / حسنِ ازل نہاں ہے زیرِ نقابِ ہستی
یہ زندگیٔ انساں اک خواب ہے پریشاں / بیداریٔ عدم ہی تعبیرِ خوابِ ہستی
میں چاہتا ہوں ساقی! نشہ مئے فنا کا / بیگانہ خرد ہے مستِ شرابِ ہستی
طالب ہوں اب سکونِ دنیائے نیستی کا / یہ کشمکش کہاں تک اے اضطرابِ ہستی!
دیکھیں اگر تو کیونکر ہم جلوۂ معارف / تو ظلمتِ نظر ہے اے آفتابِ ہستی!
تسکیں کو زہرِ قاتل آب و ہوائے عالم / راحت کا دشمنِ جاں ہر انقلابِ ہستی

یہ میرے دل کی حالت میری روح کی گت ہے — کہلاؤں کس صفت پر میں انتخاب ہستی

اے تشنۂ حقیقت دھوکے میں تو نہ آنا — اک دام پر خطر ہے موج سراب ہستی

چاہے اگر رہائی پیش از فنا فنا ہو

پاداش جرم ہستی ہے یہ عذاب ہستی

فصل بہار

گلشن میں آمد آمد فصل بہار ہے — ہر طیر نغمہ سنج سر شاخسار ہے

تڑپے ہے روح اُسکے پرندوں کے چہچہے — مست مے سرور ہے جو ہوشیار ہے

تیاریوں میں بسکہ ہے قدرت لگی ہوئی — میدان میں تہیۂ صد لالہ زار ہے

سرگرم ہیں جو ایسے ہی قدرت کے کارکن — کل لالہ زار ہوگا جو اب کہسار ہے

صحرا کو کھینچتی ہے دل زار کو اُمنگ — بیٹھا رہے جو گھر میں یہ کس کو قرار ہے

محسوس کون باغ کی کرتا نہیں کشش — ہے کون دل یہ آج جسے اختیار ہے

ق

نکتہ بڑا لطیف ہے یہ اے رفیق براق — جنگل میں جو درخت کہ بے برگ و بار ہے

نوشاہ ہے کہ بیاہ کے دن ہیں بہت قریب — میلا[۱] لباس اس لئے اس کا شعار ہے

[۱] بعض مقاموں کے رواج کیطرف اشارہ ہے کہ مستورات دولہا کو بیاہ کے دن سے کچھ دن پہلے کپڑے بدلنے نہیں دیتیں ۱۲

سہرے کے دن یہ پہنے گا پوشاکِ مخملی ‏— ہے اس کا بیاہ نام یہ جس کا بہار ہے

. . . .

. . . .

مخمل کا فرش باغ میں سبزہ بچھا چکا ‏— اے نو عروسِ گل کا فقط انتظار ہے

کچھ حظ اٹھا لے تو بھی کہ دو دن ہیں سیر کے ‏— ناداں بہارِ باغ کا کیا اعتبار ہے

منہ موتیوں سے گل کا بھرا ہے بہار نے ‏— جو قطرہ اس کا ہے وہ دُرِ شاہوار ہے

غنچے کھلے ہیں یا ہیں کھلے نافہ ہائے مشک ‏— یہ صحنِ بوستاں ہے کہ ملکِ تتار ہے

تیری ہی لگ نہ جائے نظر اے نگاہِ شوق ‏— تو دیکھتی تو چہرۂ گل کا نکھار ہے

دنیا میں رنج اگر نہیں راحت کے ساتھ ساتھ ‏— لالے کا دل بہار میں کیوں داغدار ہے؟

زاہد بھی مثلِ طفل کرے رقص کیا عجب ‏— جوشِ بہار دشمنِ جانِ وقار ہے

آتا نظر ہے سبزہ ہی سبزہ ہر اک جگہ ‏— تارِ نگاہ کیا ہے زمرد کا تار ہے

پائی ہے وہ طبیعتِ موزوں بہار میں ‏— گاتا ہر ایک پرند مثالِ ہزار ہے

لعلِ گل و زمردِ سبزہ ہیں کہہ رہے ‏— کلکِ بہار بسکہ جواہر نگار ہے

دیکھے چمن میں سبزہ و گل جو کوئی کہے ‏— معشوقِ باغ سبزہ خط و گلعذار ہے

ق

ہے موسمِ بہار جنوں خیز بیخودی ‏— جو شے ہے بے قرار ہے بے اختیار ہے

مستی سے جھومتے ہیں شجر کوہ و دشت میں　　جوشِ جنوں سے دامنِ گل تار تار ہی
موجِ صبا کو زلفِ حسیناں کہوں نہ کیوں　　مشکِ تتار صحنِ چمن کا غبار ہی

. . . .

. . . .

چاندنی رات میں بادل

(ایک دلکش مشاہدے کا فوٹو)

گھرا ہوا ہی سیہ ابر سے فلک پر چاند　　دیا ہی کھولے ہوئے گیسوئے معنبر چاند
سیہ کلف نہیں نقطہ ہے ایک کاجل کا　　نظر گزر سے بچاتا ہی روئے انور چاند
یہ شیوہ چھپنے کا کس ماہ رو سے سیکھا ہی　　نقابِ ابر کو کیوں کھینچتا ہی منہ پر چاند
یہ گرد چاند کے بادل نہیں سفید سفید　　ہی دوشِ ناز پہ اوڑھے سفید چادر چاند
بچھے ہی جاتے ہیں دل بہ شوقِ پامالی　　خرامِ ناز میں ہی دلبروں سی بڑھ کر چاند
کسی کا جھانکنا گھونگٹ سی کیوں نہ یاد آئے　　نظر جو آنے لگے ابر سے جھانک کر چاند
ہوں مست کیوں نہ شبِ ماہ میں سب اہلِ نظر　　مئے سرور کا دیتا ہی بھر کے ساغر چاند

گماں ہُوا کہ سیہ اژدہے نے مُن اُگلا	چمک اُٹھا جو سیہ ابر سے نکل کر چاند
مزے کی آنکھ مچولی ہے برق سے کھلتی	رہیگا کھیل میں مشغول آج شب بھر چاند

مجھے ہے تاب کہاں اسکی دید کی نیرنگ
کبھی کبھی کے دلاتا ہے یاد منظر چاند

تلاشِ محبّت

(ایک بلّی کے بچّے کو دیکھکر)

اِس قدر بے چین کیوں پھرتی ہے اے ننھی سی جان!	شور سے سر پر اُٹھا رکھّا ہے کیوں سارا مکان!
دُودھ پی لے بھوک نے تجھ کو ستایا ہے اگر	وُہ دھرا ہے دُودھ چھوٹی سی پیالی میں اُدھر
دُودھ بھی پیتی نہیں تُو؟ خیر لے تیرے لیے	گوشت تھوڑا سا منگا رکھا ہے یہ بازار سے
گوشت کو بھی تُو نہیں چھوتی؟ تو کوئی کیا کرے!	ہاں! ستایا ہے کہیں سردی کی شدّت نے تجھے
آ رزائی میں تجھے اپنی بٹھا لیتا ہوں میں	آ تجھے سردی کے حملے سے بچا لیتا ہوں میں
پر یہاں بھی بیٹھکر تجھ کو کہاں آرام ہے؟	تلملانے سے تڑپنے سے یہاں بھی کام ہے
بیٹھکر گھٹنے پہ غُرغُر کرنے لگتی ہے کبھی	سر کو میرے پاؤں پر تُو دھرنے لگتی ہے کبھی

پیار کرتا ہوں تو اس پر بھی نہیں تجھکو قرار
ناشکیبائی ہے تیری حرکتوں سے آشکار

کسقدر الفت ٹپکتی ہے نگاہوں سے تری!
ہائے کیا حسرت ٹپکتی ہے نگاہوں سے تری!

ہائے اے ناداں! اب سمجھا میں تیرا مدعا
تو تلاش مہر و الفت میں ہے آتش زیر پا

ڈھونڈھتی پھرتی ہے ہاں وہ گوہر نایاب تو
جسکی ہے انساں کو ہمجنسوں میں ناحق جستجو

تجھ کو لو جس چیز کی ہے ابن آدم میں نہیں
بلکہ سچ پوچھے تو موجودات عالم میں نہیں

آئیگا تیری سمجھ میں کس طرح یہ فلسفہ
ذوق راحت ہے تو پیدا کر دل بے مدعا

ہے تمنائے محبت ایک نخل بے ثمر
آرزوئے مہر و الفت ایک شام بے سحر

بلبل شیدا ہوائے گل میں صرف نالہ ہے
داغ مہر گل سے دل اسکا برنگ لالہ ہے

ہے دل بلبل میں گل کی سرد مہری کی جلن
کیا خبر اسکو کہ گل کے دل میں ہے کس کی لگن

کس کی فرقت میں گل تر اس قدر غمناک ہے
چشم پر نم ہے۔ جگر خوں ہے۔ گریباں چاک ہے

چاند پر ناحق فدا کرتا ہے جاں اپنی چکور
چاند کب سنتا ہے اس مہجور کے نالوں کا شور

مسکراہٹ چاند کی ہے اس کے نالوں کا جواب
اس طرف اتنا سکوں اور اس طرف یہ اضطراب!

آتش الفت ہی برق خرمن پروانہ ہے
یہ پتنگا بھی ادائے شمع کا دیوانہ ہے

گرد پھر پھر کر طواف کعبہ الفت کرے!
جان دے اور آتش ذوق فنا میں جل مرے

شمع کو لیکن نہیں اسکی محبت کی خبر
وہ ذرا اس پر نہیں کرتی عنایت کی نظر

کونسی دُھن ہیں خدا جانے وہ ہو آتش بجاں
کس لئے ہیں گرم آنسو اُسکی آنکھوں سے رواں

جب محبت کا یہ عالم ہے تو کیا اسکی تلاش؟
کیا تمنا ہیں کہاں کی آرزو کس کی تلاش؟

عاشق از بے مہری ہا جفا جو شکوہ سنج
یار در فرطِ ہوائے دیگرے پامالِ رنج

عالمِ پیری اور یادِ ایام

کیا لطف کے تھے وہ دن کیا خوب زمانہ تھا
طفلی کی وہ سب باتیں کیا پیارا فسانہ تھا

کھیلتے تھے مزے سے گل ایامِ بہاراں میں
اور مست پرندے تھے دو دو مرے الحاں میں

اب بھی ہیں چمن میں گل خوش رنگ بھی خوشبو بھی
شوخی بھی ہے سوسن میں نرگس میں ہے جادو بھی

پر آہ عجب پیارے! وہ گل تھے بنفشہ کے
وہ غنچے تھے کیا تیکھے وہ پھول تھے کیا بانکے!

دنیا میں بہت گھر ہیں - اور ایک سے ایک اچھا
پر گھر تھا وہ کیا پیارا ہم جس میں ہوئے پیدا

جب پہلے پہل دیکھا سورج کے اُجالے کو
امبر کے ستاروں کو اور چاند کے ہالے کو

غم سے نہ تھی آگاہی فکروں سے فراغت تھی
جنت کی بہاریں تھیں آغوش میں مادر کی

رحمت کا فرشتہ تھی ماں کی نگہِ اُلفت
اب یاد جسے کر کے روتے ہیں صد حسرت

ہیں دوست بہت لیکن جو دوست پُرانا ہی
ملتا ہی تو ملتا ہی کس جوشِ محبّت سے
شہرت کی حقیقت کیا! اک پھول ہی کمہلایا
پر دوستی اک گل ہی پُر راحت و نظّارہ

جس دوست سے وابستہ طفلی کا زمانہ ہی
تعریف جو کرتا ہی تو عینِ صداقت سے
مطلق نہیں بو اِس میں گو رنگ ہی چمکیلا
جو بو میں ہی جاں پرور اور رنگ میں ہی پیارا

عشق اور بھی کرتے ہیں وہ عشق مزے کا تھا
چنگاری کی صورت سے کجلا چلے اب ہم تم
پھل پھول ہمارے ہیں پر خوب تر و تازہ
گو نور نہیں باقی خورشیدِ جوانی کا

سو جاں سے جب ہم نے اے پیاری تجھے چاہا
ہاں وقتِ خزاں آیا مرجھا چلے اب ہم تم
ہی اُنکے بھی چہروں پر طفلی کا وہی غازہ
ہی اُنکے تبسّم سے ہر سمت اُجالا سا

اگلا جو زمانہ تھا ویسا نہیں آ سکتا
وہ گھر جو پرانا تھا ایسا نہیں گھر کوئی
ہی باغِ وفا کا گل ہر بار کہن اپنا

دھیان اُس کا کبھی دل سے اپنے نہیں جا سکتا
آرام کی جا ایسی آئی نہ نظر کوئی
شاداب رہے یارب! دائم یہ چمن اپنا

دلبر نہیں دُنیا میں بی بی سے کوئی بہتر
دُکھ درد کی یہ ساجھی ہر حال میں یہ یاور

خار

تُو سمجھتا ہے کہ اس باغ میں بیکار ہُوں میں؟
محض بیکار ہی کیا موجبِ آزار ہُوں میں؟
تُو نے دیکھا ہے مجھے دیدۂ عبرت سے کبھی؟
قدر پُوچھی ہے مری اہلِ بصیرت سے کبھی؟
سِلکِ ہستی میں کوئی شے کہیں بے سُود بھی ہے؟
جلوۂ حُسن کسی چیز میں محدُود بھی ہے؟
کلکِ قدرت نے لکھی ہے کوئی شے بے مطلب؟
اِس مُسدّس[1] میں کوئی لفظ بھی ہے بے مطلب؟

نُورِ خورشید کا ہر ذرّے میں ہے راز چھپا
مَوجِ دریا کا ہے ہر قطرے میں انداز چھپا
ایک قانون کے تابع ہیں شجر ہو کہ حجر
ایک سانچے میں ڈھلے ہیں کُرۂ خاک و قمر
تُو گل و خار میں کرتا ہے تمیز یں قایم
دیکھ اس آئین کو جس سے ہیں یہ چیزیں قایم
کس جگہ حُسن کے آئین کا اظہار نہیں؟
گُل ہی گُل باغِ جہاں میں ہے کہیں خار نہیں
آہ کیا چشمِ مشاہد کی ہے کوتہ نظری
جس سے مستُور رہے حُسن کی ہے جلوہ گری
دیکھئے حُسنِ تناسب کا نمونہ ہُوں میں
کیا دلآویز ہُوں کیا شوخ کیلا ہُوں میں

[1] شش جہت ۱۲

ہے دل افروز مری نوکِ سناں کی سی چمک
میری تشبیہ پہ اترائے حسینوں کی پلک

رنگ ہر شاخ پہ پاؤ گے نرالا میرا
روپ ہر نخل پہ دیکھو گے انوکھا میرا

نگہِ حسنِ طلب دیکھے تو رعنا ہوں میں
دل میں ہر رنگ میں ہر روپ میں کھبتا ہوں میں

رونق افروز ہے گل باغ میں زینت کیلئے
میں چمن زار میں ہوں گل کی حفاظت کیلئے

دامنِ اہلِ تطاول میں اٹک جاتا ہوں
دیدۂ حاسدِ گلچیں میں کھٹک جاتا ہوں

نہیں آزار دہی خلق کی شیوہ میرا
پھر بھی گلچیں کی مدارات ہے عہدہ میرا

توڑ لینا گلِ تر کا کوئی انسانی ہے؟
باغ میں یوں ہی تباہی کی ہوا آئی ہے

گل کو وہ اپنی غرض کے لئے برباد کرے
کیوں نہ بندہ عملِ نشترِ فصاد کرے؟

راہ رو سے نہیں صحرا میں کبھی مجھکو خلش
ہاں اگر بھائے اسے آپ ہی غفلت کی روش

خود ہی مجھ خاک نشیں کو کچل ڈالے اگر
تو کبھی اس کو بتاتا ہوں سلامت کی ڈگر

سینکڑوں مور و ملخ وہ تو کچل دیتا ہے
یوں ہی چٹکی سی کبھی بندہ بھی لے لیتا ہے

اس سے ہے نیند سے رہرو کو جگانا مقصود
قدر ہی خاک نشینوں کی بتانا مقصود

اس سے کیا بڑھ کے کروں کام میں انسانوں کا؟
میں نگہبان ہوں کھیتوں کا خیابانوں کا

یوں مری قدر کو جانے کہ نہ جانے کوئی
میرے احسان کو مانے کہ نہ مانے کوئی

راگ

{ وقت - بعد غروب آفتاب
{ دھن - مالکوس -

تا کجا روحِ فلک پرواز کی درماندگی — تا کجا پابندیِ دامِ قیودِ عنصری
ہے گراں کانوں پہ غوغائے مقامِ ہست و بود — لائے کیونکر روحِ علوی آشیاں تابِ شنود
دار و گیرِ عرصۂ ہستی سے اُکتاتا ہوں میں — زندگی کی کشمکش سے سخت گھبراتا ہوں میں
ہاں ذرا اے راگ! تو میرا پرِ پرواز ہو — رہنمائے جادۂ خلوت سرائے راز ہو
ہاں ترے دیپک کی وہ اگلی سی طاقت ہے کہاں — اسکی آتش خیز عالم سوز قوت ہے کہاں
یہ مرے پندار کے تنکے جلا دے تو سہی — راکھ اس دھوکے کی ٹٹی کو بنا دے تو سہی
کون سے دن کام آئے گا مرے تیرا ملہار — ڈال میری جان پر نیسانِ عرفاں کی پھوار
سیر تو اپنے پرستاں کی ذرا مجھ کو کرا — روح پرور جلوہ مجھ کو اپنی پریوں کا دکھا
حسن ایمن کا کبھی چھایا کا تو مجھ کو دکھا — زخم پر دل کے کبھی ناخن کبھی مرہم لگا
سوہنی کی اور گوری کی ادائیں ہیں غضب — جن سے اُٹھیں دل میں اک انداز سے درد و طرب
درد و شیرینی کی مورت پیاری البیلی پری — دل کی تسکین دل کی آفت بھولی بھالی بھیروی

دلبرِ محشر ادا تو ڑی ہے انساں کیلئے — جس کی یک ایک تان نشتر ہی رگِ جاں کیلئے

ہی غرض وُہ تیس پریوں کا جو تیرا جمگھٹا[1] — باری باری سے مجھے سب کے کرشمے تو دِکھا

آ ہر ایک گوشے سے اِس عالم کے میرے کان میں — ہاں سما جا ایک جادو بنکے میری جان میں

تار تارِ سازِ ہستی سے سُنائی دے مجھے — ذرہ ذرہ ایک راگن سا دکھائی دے مجھے

ہاں وہی سُر ربطِ افلاک کے مجھ کو سُنا — جن سے فیثا غورثِ یوناں ترا مفتوں ہوا

ہاں وہ مستی دے کہ سو ہوشیاریاں جس پر فدا — وہ تڑپ دے سینکڑوں تسکینِ جاں جس پر فدا

تو کلیمِ دل کو میرے رہنمائے طور ہے — روح کی معراج کو تو اک بُراقِ نور ہے

تو دلِ انساں کا اِک آہنگِ حسرتمند ہے — اِس کی ناکامی کی فریادِ ابد پیوند ہے

درد ہی تجھ میں بجا اِسواسطے شیریں ہے تو — جس قدر شیریں ہے تو اتنا ہی دردآگیں ہے تو

کس لئے ہے دلنشیں ایسی نرمی میٹھی صدا — ہے مگر تو منزلِ مقصود کی بانگِ درا؟[2]

تجھ کو سُننا ہر جگہ عالم میں گوشِ ہوش ہے — صوت میں گویا ہے موجِ رنگ میں خاموش ہے

نظمِ موجودات میں رتبہ ترا قانونِ حسن — روئے محسوسات میں جلوہ ترا افسونِ حسن

---

[1] اہلِ ہند کی موسیقی میں چھ راگوں میں سے ہر ایک راگ کے متعلق پانچ راگنیاں سمجھی جاتی ہیں اس حساب سے کل تیس راگنیاں ہوئیں۔ آگے ان راگنیوں کی اولاد ہے۔ [illegible] مشہور ہے۔ تیس پریوں سے یہی تیس راگنیاں مراد ہیں ۱۲

[2] حضرت لسان الغیب فرماتے ہیں ؎ کس ندانست کہ منزلگہِ مقصود کجاست ٭ اینقدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید ۱۲

رشتۂ ہستی کے پھندے سے چھڑا لے تو مجھے
اپنے آہنگِ طرب زا میں ملا لے تو مجھے

نیرنگِ شفق

کھلا ہی گلشنِ مغرب میں لالہ زارِ شفق
زبس ہی رَوِشِ صحنِ چمن بہارِ شفق

ہوا ہے وارِدِ مغرب جو خسروِ خاور
بنا ہے اسکے لئے قصرِ زرنگارِ شفق

وفورِ شرم سی چہرے پہ چھا گئی سُرخی
پیے ہی مے قدحِ خور میں بادہ خوارِ شفق

نگاہِ شوق کی گرمی سے جھینپ جاتی ہے
حیا کے جوش سے ہی سُرخیٔ عذارِ شفق

شمارِ لالہ رُخوں میں ہوا ہے پارۂ ابر
چُرا لیا ہی جو کچھ غازۂ عذارِ شفق

دیا ہی ابر کو اک دھوپ چھاؤں خلعت
لگا جو بانٹنے انعام تاجدارِ شفق

اسی کے شوق میں دن بھر سفر میں تھا خورشید
ہوا ہی کیا ہی محبت سی ہمکنارِ شفق

ستارے دیکھ شفق میں گماں گزرتا ہے
کھلا میانِ سمن زار لالہ زارِ شفق

شفق کے گرد ستاروں کا یہ ہجوم نہیں
دُرِ یتیم کرے ہی فلک نثارِ شفق

خُمِ فلک کو مے لالہ گوں سی پُر کرکے
قدح کشی میں ہی مصروف بادہ خوارِ شفق

برنگِ شاخِ ثمرور سدا ہے سر بزمیں
ہی ایسے حسن پہ اِس درجہ انکسارِ شفق

ادب سے سر بزمیں ہو کے دل کو لبھاتی ہے
غرورِ حسن سے بڑھکر ہے انکسارِ شفق

یقیں دلاتی ہے اک ماہرو کے ملنے کا
بہارِ گلشنِ اُمّید ہے بہارِ شفق

جوابِ چرخ کو سوجھا ہے قصرِ حمرا کا
زمیں کے گرد کھچا ہے جو یہ حصارِ شفق

سمیں شفق کے وہ چھائے ہیں میری نظروں میں
کہ میرا تارِ نظر تک بنا ہے تارِ شفق

لکھی یہ تو نے وہ رنگیں غزل کہ اے نیرنگ
ہر ایک شعر ہے گلگونۂ عذارِ شفق

بھونرا

بھونرا لوبھی پھول کا کلی کلی رس لے (ہندی دوہرا)

طائرِ خوش خبر[1] ہے نام مرا
اُلفتِ حسن ہے پیام مرا

میری بستی ہے پھول کی خوشبو
غنچہ و گل کی دید کام مرا

وادیِ کوہ سیرگاہ مری
باغ مسکن ہے صبح و شام مرا

[1] ذوق: بلا سے ہو گر مرا مرغِ نامہ بر بھونرا — کہ اس کو دیکھ کے وہ منہ سے خوش خبر تو ہے۔

نہیں کس گل سے رسم و راہ مری — سب پہ پھیلا ہوا ہے دام مرا
پھول پھولے نہیں سماتے ہیں — مسکراتے ہیں سُنکے نام مرا
جتنے یہ کج کلاہ غنچے ہیں — جھک کے لیتے ہیں سب سلام مرا
مانتے ہیں صنوبر و شمشاد — سرو آزاد ہے غلام مرا
بادۂ اُنس کا نشہ ہے مجھے — مے اُلفت سے پُر ہے جام مرا
حُسن کو ڈھونڈھتا ہُوں ہر گل میں — ذوقِ دید اس قدر ہے عام مرا

جستجو ہے گل است ہستی من
ہوشیاری نثارِ مستی من

شاہدِ گل کا حُسنِ جاں پرور — کوئی دیکھیگا مجھ سے کیا بڑھکر؟
ابھی اس کے جمالِ رعنا تک — نہیں پہنچی نگاہِ ذوقِ نظر
ابھی اُن بھینی بھینی خوشبو سے — نہیں مہکا مشامِ بادِ سحر
ابھی اس پیارے پیارے چہرے کو — نہیں دھویا ہے اوس نے آکر
اس کی شہرت کا چار سو پیغام — نہیں لیکر گئی نسیمِ سحر
حال پر عندلیبِ نالاں کے — نہیں کی اُس نے مسکرا کے نظر
اس دلآویز حُسنِ زیبا کی — نہیں گلچیں کو خواب میں بھی خبر

میں ہوں اس حال میں بھی گل سے قریں
ہیں عنایات اس قدر مجھ پر

ہم نفس ہوں انیس و محرم ہوں
میری الفت میں اس قدر ہے اثر

محفل آرائے خلوتستم من
بزم پیرائے جلوتستم من

دادِ گلگشت دے رہا ہوں میں
محوِ ہر رنگ و ہر ادا ہوں میں

پیار کرتا ہوں جا کے گیندے کو
منہ بنفشے کا چومتا ہوں میں

آنکھ نرگس سے جا لڑاتا ہوں
مائلِ چشمِ فتنہ زا ہوں میں

لگ چلا ہنس کے سیوتی سے کبھی
کبھی چنپا سے جا ملا ہوں میں

کبھی جوہی سے چھیڑ کر بیٹھا
دل لگی میں کوئی بلا ہوں میں

یاسمن سے ہے میری سرگوشی
موتیا سے سخن سرا ہوں میں

ہے نسیمِ سحر سے یارانہ
رازدارِ دلِ صبا ہوں میں

دل دکھاتا نہیں کسی کا کبھی
رہروِ جادۂ صفا ہوں میں

سرِ خُذ ما صفا سے واقف ہوں
علمِ دَع ما کدر پڑھا ہوں میں

دلم از نورِ مہر معمور است
رسمِ بیگانگی ز من دور است

فنِ نظارہ میں ہوں میں یکتا
سب کو لازم ہے اقتدا میرا

مجھ سے اہلِ نظر یہ کر سیکھیں
میں ہوں ذوقِ سلیم کا پتلا

حسن سے مجھ کو ہے لگاؤ مگر
دل کسی پھول کو نہیں دیتا

روگ دل کو نہیں لگاتا میں
گو ہے شوق کا ہوں متوالا

میرا مطلوب ہر جگہ موجود
میرا محبوب ہر طرف پیدا

نہیں میرا مثالِ بلبلِ زار
شیوہ کار چھینکنا رونا

گل کو نفرت نہیں دلاتا میں
شوق اپنا جتا کے حد سے سوا

نہیں میں زید و عمرو کا پابند
میں مقید ہوں دامِ الفت کا

ہے ہر اک گل نگاہ میں میری
شوخ سے شوخ سادہ سے سادا

در تصور چہ انجمن دارم
جلوۂ گل چمن چمن دارم

مُرجھایا ہُوا پھول

ہی عجب عالم فضا سے باغ پر آیا ہُوا
ہر طرف تصویر کا سا ہی سماں چھایا ہُوا

جس شجر کو دیکھئے تنہا ہی اپنے حسن پر — پھول جو دیکھو جوانی پہ ہی اترایا ہوا
سیدھے منہ سے بات تک کرتے نہیں غنچے ذرا — اُنکا نخرا آجکل نوڑوں پہ ہی آیا ہوا
دیکھئے موجِ صبا کو کچھ اکڑی سی ہے اکڑا؟ — کہتی ہے سارا جہاں ہے میرا مہکایا ہوا
پھنس ہی جاتی ہے نظر اُسکی کشش کے دام میں — شاہدِ گل کا عجب جوبن ہے گدرایا ہوا
یہاں ہے۔ دیکھتا ہوں پر اسی گلزار میں — اک طرف کو شاخ پر اک پھول مرجھایا ہوا

اس پھلے پھولے چمن میں یہ گلِ پژمردہ ہے
یا کوئی حسرت کا پتلا عاشقِ دل مردہ ہے

کل اسی گل کا عجب انداز تھا طرفہ نکھار — تھی محبت سے لئے آغوش میں اس کو بہار
لیتی تھی اس کی بلائیں گرد پھر پھر کر نسیم — پھینکتی تھی اوس موتی اس کے سر پر وار وار
چاندنا سا مسکراہٹ سے تھا اسکی چارسو — تھیں ہوائیں اسکے دم سے مشک بیز و عطربار
کس کے دل میں چٹکیاں لیتی نہ تھی اس کی ادا — دیکھکر صورت کو اسکی کس کو آتا تھا نہ پیار
لونڈیوں کی طرح جھلتی تھی اسے پنکھا صبا — سر پہ چھتری اس کے تھا کھولے ہوئے ابرِ بہار
نازپروردِ عناصر تھا بجا کہنا اسے — دیکھکر اس کو نہیں پھولی سماتی تھی بہار

دیکھ پاتا تھا ذرا اس کو جو کوئی گلعذار
چاہتا تھا جھٹ گلے کا اپنے کرلے اسکو ہار

نام کو اس کی ہنسی میں تھا نہ غم کا شائبہ
تھا رگوں میں اس کی گویا موجزن آبِ حیات
گود میں بادِ بہاری نے کھلایا تھا اسے
کی جو کچھ بادِ سحر نے اس سے آ کر چھیڑ چھاڑ
کچھ ہوا اٹکھیلیوں سے اسکی ایسا خندہ زن
چومتی تھیں اس کا منہ جھک جھک کے شاخیں بارہا

کیا خبر تھی جلد اڑ جانے کو ہے رنگِ بقا
اس کو کیا معلوم تھا چلنے کو ہے بادِ فنا
چومتی تھی اس کا ماتھا پیار سے بادِ صبا
گدگدانے سے یہ اسکے کھلکھلا کر ہنس پڑا
ہنستے ہنستے آنکھ میں شبنم کا آنسو آگیا
اونگھتے کو ٹھیلتے کا اک بہانہ تھی صبا

اسکی بو کی باندھتی تھی گل ہوا موجِ نسیم
انقلاب آیا ہی لیکن آج یہ کیسا عظیم

جانتی تھی گل اسے جو شاخ اپنا تاجِ سر
درد سے اسکی نہیں بھرتی ہی ٹھنڈی سانس تک
ڈھونڈتی تھی کل بہانے اس سے لگ چلنے کے تو
آج آنکھیں پھیر لیں گلچیں نے گر اس سے تو کیا
اپنے اپنے حال میں ہیں مست سکانِ چمن
کل گلِ تر تھا ۔ تو تھا گلگونۂ روئے سخن

آج ہے اس کے لئے یہ بارِ خاطر سے بتر
سرد مہر ایسی ہوئی ہی آج تو بادِ سحر
آج کترانے لگی ہی اس سے تو کیوں اس قدر
رال اس کی بھی ٹپکتی تھی اسے کل دیکھ کر
کس کو پروا ہی کرے جو اسکی حالت پر نظر
صرفِ تشبیہ عذارِ مہوشانِ سیمبر

اپنے باں شعر میں ہم معنیِ حسرت ہی یہ

اہلِ بینش کو چراغِ دیدۂ عبرت ہے یہ

اے تماشائی! امڑے سیرِ چمن کے لوٹ کر
اس گلِ پژمردہ کی جانب ذرا کرنا نظر

یہ دکھاتا ہے۔ اگر ہوں عقل کی آنکھیں کھلی
کوئی دن کے ہیں سب اس دُنیا کے حسن و فر

ہوش کے کانوں سے سن یہ کہہ رہا ہے صاف صاف
اس دو روزہ زندگی کو اس طرح کر تو بسر

چار سُو پھیلے جہاں میں بُو ترے اخلاق کی
دیکھ کر تجھ کو دلوں سے دُور ہو غم کا اثر

کاٹ دے ہنس کھیل کر اس مختصر ہستی کو تو
دے خوشی سب کے دلوں کو ورنہ مت ہو چارہ گر

کل کو چھا جائے نہ ان پر موت کی پژمردگی
التفاتِ دوستاں کی آج نادان قدر کر

ہے مری پژمردگی تاویلِ رُوبائے حیات
میری ایک ایک پنکھڑی تفسیرِ آئینِ حیات

خوابِ یتیم

شفقتِ ہیئتِ انسان میں پھر آئی نظر
بن گیا پیکرِ محسوس خیالِ مادر

چار آنکھیں ہوئیں پھر پیار بھری آنکھوں سے
پھر محبت نے لیے آ کے جبیں کے بوسے

پھر وہ آغوش کہ کہیے اُسے فردوسِ زمیں
وہی آغوش مکاں اس کا بنا اور یہ مکیں

بیکسی چھٹ گئی اک گوشۂ نسیاں میں دبک
دل سے جاتی رہی اندوہ کے کانٹے کی کھٹک

کچھ نرالی ہی تھی اُن پیار کی نظروں کی چمک
عالمِ روح کی آتی تھی نظر اُن میں جھلک

پیار سے اسکی اُمڈتی تھی خوشی وہ دل میں
کہ نہیں ملتی کہیں عالمِ آب و گِل میں

آ گئی جب کہ نظر اُسکو وہی جس کے لیے
سینکڑوں آہیں کھچیں اشک ہزاروں ہی بہے

کس مپرسی کی لگا کرنے شکایت اس سے
خستہ حالی کی لگا کہنے حکایت اس سے

ماں نے اُلفت سے بھرے لفظ تسلی کے کہے
اس کو سینے سے لگا پیار سے آنسو پونچھے

بل بے نیرنگیِ اُمید کہ آتی ہے نظر
اِسی عالم میں ذرا دُور پہ تصویرِ پدر

خواب ہے یا کہ حقیقت ہے یہ معلوم نہیں
دل کو اِس بخت کی بیداری کا ہو کیسے یقیں

چل گیا شک پہ بھی اُمید کا آخر افسوں
باپ سے جا کے لپٹ ہی گیا بہ زار و زبوں

پھر ہوا تجربۂ راحتِ آغوشِ پدر
رو کے لانے لگا یوں حرفِ شکایت لب پر

تم نے ابا ہمیں مدت سے نہیں پیار کیا
نہ کھلونا کوئی بازار سے ہی لا کے دیا

گھر میں سب کہتے تھے تم جلدی سے آ جاؤ گے
اور شیرینی مرے واسطے تم لاؤ گے

تم نہیں آئے یہ دن آ گئے رستہ تکتے
چھپ گئیں آنکھوں سے اماں بھی تمہارے پیچھے

سب چھپاتے رہے تم دونوں کا جانا مجھ سے
کھیلتے کھیلتے کہہ دیتے تھے لیکن لڑکے

مر چکے ہیں ترے ماں باپ تجھے دھیان ہے کیا
یوں ہی لوگوں کے تو کہنے سے نہ کھانا دھوکا

شک بھی تھا دل میں مگر ساتھ ہی امّید بھی تھی
اس تذبذب میں بڑی سخت مصیبت جھیلی

دیکھتا تھا میں جدھر سارا جہاں تھا ویراں
کوئی دُنیا میں نہ تھا حال کا میرے پُرساں

باپ نے سینے سے لپٹا کے اُسے پیار کیا
اِک تر و تازہ اُسے خوشۂ انگور دیا

جُوں ہی لڑکے نے وُہ انگور زباں پر رکھے
ذائقہ آم کا انگور میں پایا اُس نے

خوابِ غفلت سے تحیّر نے جگایا شک کو
کہ یہ تصویرِ دلاویز کہیں خواب نہ ہو

شک کے آتے ہی دگرگوں لگی ہونے حالت
لُطفِ منظر سے لگا مانگنے فوراً رخصت

باپ کے رُخ پہ نظر آئے تغیّر کے نشاں
ماں کی صُورت پہ گذرنے لگا دھوکے کا گماں

شک نے پامال کیا لُطفِ نظارا ہی غضب
خاک میں مل گئے اُمّید کے منصوبے سب

شک نے حُجّت یہ اُٹھائی کہ اسے خواب کہے
زورِ اُمّید نے مارا کہ حقیقت سمجھے

کشمکش سینے میں اُمید نے کچھ کی جو ادھر
ہاتھ لپکا کے پکڑنے لگا دامانِ پدر

ماں کی تصویر جو تھی دُھندلی سی ہوتی جاتی
سعی کی دامِ تصوّر میں اُسے کھینچنے کی

بامِ مقصد پہ نہ پہنچی جو تصوّر کی کمند
ہو کے مایوس لگا رونے بآوازِ بلند

اپنے ہی رونے کی آواز سے وہ چونک اُٹھا
نیست اور ہست میں کچھ فرق نہ کر سکتا تھا
بیدلی کا تھا یہ عالم کہ نہ اُمید نہ یاس
خواب تھا یا کہ حقیقت یہ پدر اور مادر

دل پہ عالم تھا مگر اُس کے عجب حیرت کا
دل میں جذبات نے طوفان اُٹھا رکھا تھا
اُسکے ان لفظوں سے کر لیجئے حال اُسکا قیاس
ان کے کیا معنی ہیں! کس چیز کو کہتے ہیں پدر

کچھ کہے کوئی یقیں مجھ کو نہیں آسکتا
کہ میں اس دہر میں ماں باپ کبھی رکھتا تھا"

راحتِ یاس

دم ناک میں کیا تھا طوفانِ غم نے میرا
خرمن جلا دیا تھا برقِ الم نے میرا

ٹکڑے جگر کیا تھا حسرت کے سم نے میرا
میں جان دے چکا تھا تُو نے مجھے جلایا

اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا سبز باغ برسوں اُمید نے دکھائے
دمبازیوں سے اسکی دھوکے بہت سے کھائے

تھے وعدے اس کے جھوٹے سب میں نے آزمائے
پھندے سے اُس کے تُو نے آخر مجھے چھڑایا

اے یاس تیری صدقے تُو نے مجھے بچایا

امید کے وہ وعدے جھوٹی ہوائیاں تھیں
دن رات کوششیں تھیں اور نارسائیاں تھیں
سب خود فروشیاں تھیں گندم نمائیاں تھیں
دھوکے کا تو نے پردہ آخر کو اٹھایا
اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا آرزو کی تپ تھی کیا شوق کا جنوں تھا
حرماں کے نشتروں سے دل تھا کہ غرقِ خوں تھا
تن من جلا رہا تھا کیا شعلۂ دروں تھا
زخموں پہ جاں کے تو نے مرہم سا آ لگایا
اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا آہ سرد تو نے ٹھنڈی ہوا چلائی
کیا یاس تو نے میٹھی لوری اسے سنائی
گہری سی نیند جس سے دردِ دروں کو آئی
کیا بھیرویں کی دھن میں یہ تو نے گنگنایا
اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

کیا سکھ کی زندگی ہے اب شوق ہے نہ حسرت
اے یاس تجھ کو شاباش اے یاس تجھ پہ رحمت
نے آرزو نہ حرماں دونوں پہ بھیجو لعنت
امید دور ہو چل۔ تو نے بہت ستایا
اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

گذرے گی خوب اپنی اب میں ہوں اور تو ہے
میں جسم ہوں تو جاں ہے میں پھول ہوں تو بو ہے
تجھ کو ہی مجھ سے الفت یاں تیری جستجو ہے
صد شکر ہے خدا نے مجھ سے تجھے ملایا
اے یاس تیرے صدقے تو نے مجھے بچایا

ایک آنسو سے دو دو باتیں

اے اشک! تو عجیب ہے۔ طرفہ ہیں تیرے کام | رکھوں نہ کیوں "بلاغتِ خاموش" تیرا نام
جو بے زباں ہو درد سے اُس کی زباں ہے تو | جو قابلِ بیاں نہیں اُس کا بیاں ہے تو
ہو جوشِ دل نے جس کی زباں کو جکڑ دیا | کون اُس کی معذرت میں ہو گویا ترے سوا

عاشق کے دل میں جتنے ہیں ارماں بھرے ہوئے | تیرے سوا ہے کون جو دلبر سے کہہ سکے

جب دیکھتی ہے رُوح کوئی رازِ کائنات | یا رنگِ بے ثباتیٔ ہنگامۂ حیات
اُس کیفیت کو کہہ نہیں سکتی کبھی زباں | تیرے ہی لب سے ہوتے ہیں جذبے وُہ سب بیاں

جس کو پناہ دہر میں ملتی نہیں کہیں | ہوتا ہے تیرے در پہ وہ پنہ گزیں
دُنیا میں جن کا کوئی نہیں غمگسار ہے | تو ایسے بیکسوں کا دل و جاں سے یار ہے
فریاد جس غریب کی سُنتا نہیں کوئی | اُس کی اپیل کی تو عدالت ہے آخری

افشائے رازِ عشق کا لپکا سا ہے تجھے | سازش ہے تیری آہ سے اور رنگِ زرد سے

ہمدردیٔ انام کا رکھیں صدف جو نام | تو اُس صدف کا گوہرِ یکتا ہے لاکلام
چھا جائے دل پہ جب کوئی غم ابر کی صفت | اِک تُو ہے سچّے دل سے جو کرتا ہے تعزیت

ہوتا ہے سنگِ راہ دلِ باصفا بھی تو
بنتا ہے یعنی برقعِ اہلِ ریا بھی تو
وہ نیک لوگ ہوتے ہیں جو راہیِ فنا
تو بہترین قصیدہ ہے ایسوں کی مدح کا

پنجے میں جب عدو کے جہانگیر پھنس گیا
اور حکمِ قتلِ نورجہاں صاف لکھ چکا
تو ہی تھا جس نے نورجہاں کو بچا لیا
اُس دم بلا کو ٹالنا تیرا ہی کام تھا

زنجیرِ عشق سے جو ہوں دو دل بندھے ہوئے
گر فرق اُن میں آئے کسی اتفاق سے
ایسے دلوں کی صلح کرانا ہے تیرا کام
بچھڑے ہوئے دلوں کو ملانا ہے تیرا کام

معشوق کی جو آنکھ کو کرتا ہے تو پُرآب
عاشق کی بدگمانی کا ہے بہترین جواب
بھر لائے آنکھ میں تجھے جب کوئی مہ لقا
سمجھے نہ کس کا دل تجھے اک وعدۂ وفا

ہوتا ہے قصرِ دل میں جو واردِ خیالِ یار
دل اُس پہ تجھ کو کرتا ہے مثلِ گہر نثار
تو چشمِ دل ہے! آہ دلبر کی حسن جسم
کرتا نظر ہے آنکھ کی کھڑکی سے جھانک کر

وہ آنکھ جس میں ہوتا ہے تو جلوہ گر ذرا
انساں کی حسرتوں کا ہے جامِ جہاں نما
قطرہ ہے پر تعمق دریا نما ہے تو
پیمانہ بحرِ روح کی گہرائی کا ہے تو

اے اشک! تیرے وصف تو سب ٹھیک ہیں مگر
نیرنگ کو بھی کاش دکھائے تو کچھ اثر

خوابِ ناز

ہاں نگاہِ شوق! آ دکھلائیں اک پیارا سماں
تو نے گلچیں تو یہ ہے ایک طُرفہ بوستاں

پاک نظارہ ہے یہ آ تا پاک دل سے تو بھی پا
شائقِ گلگشت جس کا ہو دلِ روحانیاں

حُسن کا اس دم عجب عالم فریب انداز ہے
وہ بہارِ باغِ خوبی محوِ خوابِ ناز ہے

اس گھڑی آرام میں ہیں وہ نظر کی بجلیاں
جاگتا ہے ایک بھولا پن مثالِ پاسباں

چلبلی وہ مسکراہٹ وہ پیاری شوخیاں
پیارے چہرے پر ہے چھایا ہائے کیا پیارا سماں

گر فرشتے بھی یہ بھولی بھولی صورت دیکھ پائیں
اپنے معصومی کے دعوے سے یقیں ہے ہاتھ اٹھائیں

روح پر کرتا ہے یہ منظر عجب دلکش اثر
منعکس ہوتا ہے اس چہرے سے کیا نورِ قمر

جس طرف کو آنکھ اٹھاؤ چاندنی ہے جلوہ گر
چاندنی کی ہر کرن ہے ایک اُلفت کی نظر

چاند بھی گویا کہ اس جلوے سے محوِ دید ہے
ہاں مبارک ہو نگاہِ شوق تیری عید ہے

ہے غرورِ حسن کی اس سادگی میں بھی جھلک
ہر شعاعِ حسن میں ہے برقِ خاطف کی چمک

نشترِ جاں ہے سکوں میں بھی ہر اک بانکی پلک
اضطراب افزا ہے گھونگر والے بالوں کی مہک

ابروئے پیوستہ میں عشوہ ہے گو دزدیدہ ہے
مسکراہٹ ہے لبوں پر اب بھی گو خوابیدہ ہے

ہیں ہم آہنگِ خموشی غمزہ و ناز و ادا
دیدۂ مشتاق ہے آئینہ ساں حیرت زدہ

اس چمن کی دلفریبی کی نہیں کچھ انتہا
اے نگاہِ شوق بس گلگشت اس کی تا کجا

یہ نہ ہو ارمان کی بے تابیاں ہونے لگیں
جاگ اٹھیں ڈر ہے تو تجھ سے بدگماں ہونے لگیں

بادل

میں بھی اے ابر ترے حسن کا شیدائی ہوں
تیری نیرنگی کا دیرینہ تماشائی ہوں

میری آنکھوں نے تجھے دیکھ کے وہ کچھ دیکھا
کہ زبانِ مژہ پر شکر ہے بینائی کا

اس قدر روپ انوکھے جو دکھائے تو نے
سچ بتا کس سے یہ انداز اڑائے تو نے

۱؎ شیخ ناسخ علیہ الرحمۃ کا شعر ایک لفظ بدل کر جڑ دیا گیا ہے ۱۲

کبھی ہیبت بھری صورت تو بنا لاتا ہے
بنکے اک موہنی مورت تو کبھی آتا ہے

دل سے مجھ کو یہ تری عشوہ گری بھائی ہے
یہ ادا تجھ کو اسی شوخ نے سکھلائی ہے

چاندنی رات میں وہ ناز سے آنا تیرا
بنکے اک نور کا پتلا وہ دکھانا تیرا

چاند کو پیار سے سینے سے لگانا تیرا
اور کبھی دور اسے چھوڑ کے جانا تیرا

چاند کے حسن پہ کیا دل ہی ترا آیا ہوا
ہالہ کہتے ہیں جسے یہ تری آغوش ہے کیا؟

دل لگی چاند سے تیری یہ مجھے بھاتی ہے
گو مری یاد کو بے چین یہ کر جاتی ہے

لطف رکھتا ہے گرج کر یہ برسنا تیرا
ہے یہ انداز نمائے غضب و رحم خدا

چشم معنی کو بہت کچھ نظر آیا اس میں
کھچ گیا یُسْرَ مَعَ الْعُسْر کا نقشہ اس میں

جبکہ جل جائے تمازت سے زمیں کا سینہ
حکمت آمیز ہے تھم تھم کے برسنا تیرا

پیاس کی آگ کو جس طرح بجھائے کوئی
جرعہ جرعہ کسی پیاسے کو پلائے کوئی

جلوۂ برق تری موج تبسم تو نہ ہو؟
نعرۂ رعد ترا شورِ ترنم تو نہ ہو؟

ہائے البیلی یہ رفتار یہ بے ساختہ پن
منعکس تیری ادا میں ہے حسینوں کا چلن

بے سبب کب یہ ترا جھوم کے یوں آنا ہے
تو کسی ناز کے متوالے کا مستانہ ہے

تیرا انداز دلاویز جو اسکو بھایا
ہار گردن میں تری قوس قزح نے ڈالا

گل کھلاتی ہے تری آڑ میں سورج کی کرن
کیسے رنگوں کے دکھاتی ہے دلاویز چمن

تیرے صدقے سے ہی گلکارِ شفق کی شہرت
تیرے چہرے پہ دکھاتا ہی وہ اپنی صنعت

تیری مشّاطہ ہیں دو۔ نورِ سحر رنگِ شفق
تو ہے آئینہ نیرنگیِ حسنِ مطلق

شاہدِ حسنِ ازل کا ہی تو برقع بیشک
تجھ میں آتی ہی نظر اُس رخِ روشن کی جھلک

ڈال کر اپنے دلِ زار کی حالت پہ نظر
رشک آتا ہی مجھے تیری سبکباری پر

مخمصوں سے نہ غرض تجھ کو نہ غم کی پروا
کام تیرا ہے ہواؤں سے کلیلیں کرنا

دردِ پنہاں سے نہیں اشک بہانے تجھ کو
وسوسے کاہے کو آتے ہیں ستانے تجھ کو

پڑے پالا کبھی کیوں خوف و رجا سے تجھکو
ہی اگر کام تو ہے صدق و صفا سے تجھکو

کب تلک دیکھے تجھ کو نگہِ حسرت سے
کاش میں تجھ میں پہنچ جاؤں کسی صورت سے

کسی ترکیب سے دنیا سے اٹھا لے اے ابر!
اپنے نیرنگ کو اپنے میں ملا لے اے ابر!

حسن و عشق

عشق نے تنگ آکے آخر حسن سے اِکدن کہا
دیکھ اے پیارے انہیں اچھّے ترے جور و جفا

گرم ہفت اقلیم میں بازار تیرا مجھ سے ہی
تیری عزت مجھ سے ہے تیرا بول بالا مجھ سے ہی

میں نہ ہوں تو میری جاں! تیری حقیقت کچھ نہیں
جب کوئی گاہک نہ ہو موتی کی قیمت کچھ نہیں

اس پہ میرے ساتھ تیری کج ادائی ہے غضب
یہ تغافل ہے ستم بے اعتنائی ہے غضب

چھوڑ اس ٹیڑھی ڈگر کو۔ لے وفا کا راستہ
ورنہ پیارے اپنی ان باتوں کو تو پچھتائیگا

بیوفائی میں اگر تجھ سے کروں تیری صفت
خاک میں مل جائے تیری ساری قدر و منزلت"

حُسن نے جس وقت تقریر برجستہ سُنی
عشق پر ترچھی نظر کی ناز و نخوت سے بھری

بولا اپنی اصل کی شاید نہیں تجھ کو خبر
صفحۂ ہستی پہ تُو ہے میرے دم سے جلوہ گر

میں اگر ہوتا نہ اے ناداں۔ تو تو ہوتا کہاں
میں اگر معدوم ہو جاؤں تو تو ہے بے نشاں

آہ و اشک و غم ہوا و آب و دانہ ہے ترا
یہ مرے انعام ہیں ان پر گذارا ہے ترا

دل پہ کیوں احساں فراموشی کا ڈالا پردہ ہے
تو جہاں میں میرا آوردہ نمک پروردہ ہے"

عقل نے نیرنگ اُن کی یہ تکرار جب سُنی
یہ کہا۔ اور ہم سے سچ پوچھو تو دل لگتی کہی

عشق کا ممکن ہی کیونکر حُسن سے ہونا جُدا
عکس ہے آئینۂ ہستی میں یہ تو حُسن کا

حُسن اک سُورج ہے اور ہے عشق اس سُورج کا نُور
کس طرح ممکن ہے ہونا نُور کا سُورج سے دُور

عالمِ ہستی میں دونوں لازم و ملزوم ہیں

ہیں تو دونوں ہیں نہیں تو دونوں ہی معدوم ہیں

کسی کا دھیان

آ دل میں! میں نثار ترے اے کسی کے دھیان
تو جلوہ نہاں ہے! کسی کے جمال کا

سُونا پڑا ہے دل کا شبستاں ترے بغیر
ہے انتظار حسرتِ دیدار کو ترا

تو شمع ہے خیال کے فانوس کے لئے
ذرّہ صفت ہے واہمہ تو مہرِ خاوری

دیدارِ یار جامِ شرابِ طہور ہے
دُوری تری جدائی جاناں سے کم نہیں

اس دل کا غم بھی تو ہی ہے اور غمگسار بھی
خلوت کا تو انیس ہے جلوت کا تو رفیق

کیا تجھ سے نوک جھوک ہے کیا چھیڑ چھاڑ ہے

اس رُوح کی تو رُوح ہے اس جان کی ہے جان
اے سینکڑوں دلوں کی خوشی! تجھ پہ ہیں فدا

کیسے بسے یہ خانۂ ویراں ترے بغیر؟
ارمان کہہ رہے ہیں تری راہ جلد آ

روشن چراغِ فکر ہے تیرے ہی نور سے
اس کی فسوں گری ہے تری ذرّہ پروری

تو اس سے لطیف کا پیارا سرور ہے
تو ہو تو مجھ کو یار کی فرقت کا غم نہیں

اس کی تڑپ بھی تو ہی ہے اس کا قرار بھی
ہر حال میں تو ساتھ ہے اے باوفا شفیق

ہے صلح بھی تجھی سے تجھی سے بگاڑ ہے

ہاں تیرے رُوٹھنے میں منانے میں لُطف ہے — اِس دل لگی میں ہنسنے ہنسانے میں لطف ہے

اپنے لئے جہاں سے الگ اک جہاں ہے تُو — گلگشتِ شوق کے لئے باغِ جناں ہے تُو

تُو میری جاں کے ہر رگ و پے میں ہے موجزن — تُو مجھ پہ ہے محیط تو میں تجھ میں ہوں مگن

یہ سر خدا کرے نہ ہو جب سر میں تُو نہ ہو
وُہ دن نہ ہو کہ دل میں تری آرزو نہ ہو

نوحۂ رشید

راقم ۲۰ ستمبر ۱۹۰۳ء کی شام کو بعدِ غروبِ آفتاب ” جوانمرگ عبدالرشید چشتی بی۔ اے“ مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا تھا۔ اُس وقت جن جذبات نے دل پر ہجوم کیا اُن کی عکسی تصویر ذیل کے چند شعروں میں کھینچی گئی ہے۔

نیرنگ

اشکِ حسرت تیرے مدفن پہ بہانے آیا — تُو نے جو داغ دیا تجھ کو دکھانے آیا

مرض الموت میں بھیجا تھا جسے عید کا کارڈ — وُہ ترے بسترِ خاکی کے سرہانے آیا

جس کے شعروں کو بہت شوق سے تُو سنتا تھا — آج وُہ تجھ کو ترا نوحہ سنانے آیا

رات اندھیری ہے طبیعت نہ پریشاں ہو تری — شعلۂ آہ کی اک شمع جلانے آیا

چھوڑ احباب کو سوتا ہے پڑا چین سے تُو
نعرۂ درد سے میں تجھ کو جگانے آیا

ہائے جسکے لئے صد دولتِ بیدار تھا تُو
وہ پدر خود تجھے مرقد میں سُلانے آیا

جیتے جی پھول سے تھی تجھ کو بہت کچھ نسبت
میں ترے ڈھیر پہ بھی پھول چڑھانے آیا

ملتی جلتی تھی بہت پھول سے خصلت تیری
سیرِ گلزار سے کچھ کم نہ تھی صحبت تیری

بوئے گل جیسے کہ پھیلاتی ہے ہر سمت نسیم
اس طرح پھیلی تھی اخلاق کی نکہت تیری

یار و اغیار میں کچھ فرق نہ تُو کرتا تھا
مسکراہٹ ترے ہونٹوں پہ تھی طینت تیری

تجھ کو کینے سے تعلّق نہ تعصّب سے لگاؤ
وسعتِ تامّہ رکھتی تھی محبّت تیری

جس طرح پھول ہے دو روز میں کملا جاتا
اس طرح تھوڑی سی تھی عمر کی مدّت تیری

تھی خوشی تیری عزیزوں کو ملائے رکھنا
بہجتِ خاطرِ احباب مسرّت تیری

تُو وہ تھا جس کو پیمبر نے کہا ہے مومن[1]
ہاتھ سے بول سے ایذا نہ تھی عادت تیری

گردشِ چنبرِ دوّار نے جینے نہ دیا
چین سے تجھ کو ستمگار نے جینے نہ دیا

کچھ تو ارمان عزیزوں کے نکلتے اے کاش
چار دن بھی تجھے خونخوار نے جینے نہ دیا

[1] حدیث المؤمن من یسلم المرء من یدہٖ ولسانہٖ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے انسان بچا رہے

ایک جاں اُس پہ یہ دن رات ہجومِ آلام
کثرتِ مجمعِ افکار نے جینے نہ دیا

تُو تو رکھتا نہ تھا آزار کسی کا بھی روا
ہائے تجھ کو ترے آزار نے جینے نہ دیا

تھا جس آئین کے نکتوں میں تعمّق تجھ کو
اُسی آئین کے اسرار نے جینے نہ دیا

شاہدِ راز کے جلوے کا جو تھا تُو مشتاق
ہاں اسی حسرتِ دیدار نے جینے نہ دیا

سخت جانی سے ہے نیرنگ بھی آخر زندہ
تجھ کو کیوں موتِ جفاکار نے جینے نہ دیا

کوہستان کا نظّارہ

ہاں مبارک تجھے اے دید کی مشتاق نظر
ایک برجِ گلِ نظّارہ ہے شملے کا سفر

قُلّۂ کوہ جو اُبھرا ہے تو اک شان کے ساتھ
کھڈ جو گہرائی میں اُترا ہے تو اک آن کے ساتھ

چوٹیوں اور کھڈوں پر جو ذرا کیجے نظر
اور روئیدگی کا دیکھیے منظر پہ اثر

ق

سبزہ ہی سبزہ ہر اک سمت نظر آتا ہے
ایک دریائے زمرّد ہے کہ لہراتا ہے

صفحۂ دلکشِ کہسار عجب گلشن ہے
سبزہ و گل سے جو قُلّہ ہے سو اک خرمن ہے

نخلبندِ چمنِ دہر ہے مالی اس کا
گل سے رہتا نہیں دامن کبھی خالی اس کا

یاں جو پودا ہے سو ہے سرو کی صورت آزاد
خوشنوایانِ چمن کو نہیں خوفِ صیاد

پھول اک طرزِ دلاویز سے کھلتے ہیں یہاں
شجر اک جنبشِ مستانہ سے ہلتے ہیں یہاں

پہنی ہیں پھولوں نے خوش رنگ قبائیں کیا کیا
دل لبھاتی ہیں پرندوں کی صدائیں کیا کیا

دیکھنا اڑتی ہوئی تیتریوں کے انداز
گویا قدرت نے عطا کی ہے گلوں کو پرواز

کس قدر حسن بکھیرا ہے یہاں قدرت نے
کیا ویرانے کو فردوس نشاں قدرت نے

دیکھیے! سامنے اک کھڈ سے وہ بادل اٹھا
اک طلسم نور کا آکاس میں لہرانے لگا!

آ لو! وہ اور بھی کچھ ابر کے پارے آئے
سینکڑوں رنگ سے جوبن کو نکھارے آئے

نہیں بادل کے یہ ٹکڑے، یہ ہیں چنچل پریاں
محوِ سیرِ کرۂ باد ہیں رقصاں رقصاں

ان میں یہ ناز یہ چھل بل یہ ادا یہ گھاتیں
بادلوں کو کہیں آتی ہیں بھلا یہ باتیں؟

نیلی پوشاک کسی کی ہے، کسی کی ہے ہری
کوئی مٹیالی پری ہے تو کوئی سرخ پری

کیسی اٹکھیلیاں کرتی ہیں ہوا سے دیکھو!
ناچتی پھرتی ہیں کیا پیاری ادا سے دیکھو!

آ لو! اب چھپ گئیں دامن میں گھٹا کے پریاں
ہو گئے بارشِ باراں کے مہیا ساماں

لو برسنے کو ہے پانی وہ گھٹائیں آئیں
مینہ کا پیغام لیے ٹھنڈی ہوائیں آئیں

ابر نے ڈھانپ لیے سب شجر و کوہ و زمیں
گویا جز ابر کے دنیا میں کوئی چیز نہیں

رعد نے آ کے جو احکام میں کچھ تیزی کی
وہ لگی دینے گھٹا دادِ گہر ریزی کی!

کھل گیا ابر۔ فلک صاف نظر آنے لگا
نیلگوں حُسن کی نیرنگیاں دکھلانے لگا

واہ یہ صاف یہ شفاف یہ گہری نیلاک[1]
نہ زمرّد میں یہ رنگت نہ یہ نیلم میں دمک

دیکھتا ہے اسے انسان تو کیا سُوجھتی ہے
طائرِ رُوح کو پروازِ فنا سُوجھتی ہے

سامنے دُور اُفق تک جو نظر جاتی ہے
دھُندلک کوہ کی نیلاک ہی نظر آتی ہے

نظر آتا ہے اُفق میں جو ذرا ابرِ سفید
شوقِ نظّارہ طلب کو ہے سحرگاہِ امید

اِک جھلک حُسنِ ازل کی سی دکھا جاتا ہے
دِل کو مُشتاقِ رُخِ یار بنا جاتا ہے

آبشاروں کا سرِ کوہ طرب خیز وُہ شور!
ہائے وُہ نغمۂ مستانہ وُہ رفتار وُہ زور!

ندّیاں دُودھ کی بہتی ہیں یہاں بے محنت
دیکھے فرہاد تو حسرت سے کہے "یا قسمت"!

بحر کی تہ میں کوئی ہوگا پڑا مروارید
آبشاروں کو جو دیکھو تو ہمہ مروارید

آئی وُہ دُور سے مستانہ جھنجھوٹی کی صدا
گونج بھی ساتھ بیابان نے بجائی اپنا

آہ موسیقیِ جاں بخش جہاں سوز آہنگ!
تیری تاثیر سے ذی رُوح بنا تو دہ سنگ

گُونج کیا ہی یہ ہوئی کہسار کی پُر درد صدا
اثرِ نغمہ سے ہر وجد میں تھّرّاتا

ہائے اس حُسن کے مسکن میں بھی آفت ہے وُہی
اس گلستاں میں بھی انساں کی مصیبت ہے وُہی

---

[1] نیلا کا اسم مصدری نیلاہٹ عموماً مستعمل ہے۔ مَیں نے دانستہ مگر بضرورت ٹھنڈک۔ سیلک۔ کالک کے وزن پر نیلاک گھڑ لیا ہے۔ (نیرنگ)

پیش ہر وقت وُہی پیٹ کا دھندا اِس کو!
وُہی محنت وُہی ذلّت ہی مقدر اِس کا!
ورنہ یہ عرصۂ کہسار عجب منظر ہے!

جبرِ حالات کا ہر دم وُہی رونا اِس کو!
وُہی حرماں وُہی حسرت ہی مقدر اِس کا!
دِل کو فرصت ہو تو پوجا کو عجب مندر ہے

ذرّے ذرّے میں یہاں ہر نظر آتا موہن
رُت نئے رُوپ میں درشن ہے دکھاتا موہن

انجامِ محبّت

(حرماں نصیب گلیٹ[1] زبانِ حال سے)

مجھ سے پُوچھے کوئی انجامِ محبّت کے مزے
بادۂ حرماں کی لذّت جامِ حسرت کے مزے

[1] مغرب کے لاثانی فسانہ نگار وکٹر ہیوگو کے فسانہ ٹوائلرز آف دی سی کو ختم کرکے راقم کے دِل میں ان خیالات نے خود بخود ہجوم کیا۔ گلیٹ ایک حسینہ پر عاشق ہے۔ اس حسینہ کے چچا کا جہاز کہیں سمندر میں ٹوٹ کر غرق ہو گیا ہے۔ یہ چچا ہی اس حسینہ کا سرپرست بلکہ بمنزلہ پدر ہے۔ وُہ حسینہ اور اس کا چچا وعدہ کرتے ہیں کہ جو کوئی اس شکستہ جہاز کے انجن کو سمندر سے نکال لائے اُسی سے اس حسینہ کی شادی ہو۔ گلیٹ اس شرط کو منظور کرکے دو ماہ کی لاتعداد مصائب جھیل کر انجن کو تن تنہا نکال لاتا ہے۔ مگر اس اثنا میں وہ حسینہ اپنا دل ایک اور کو دے بیٹھی ہے۔ گلیٹ یہ دیکھ کر اپنے ہاتھ سے اپنے رقیب کی شادی اس حسینہ سے کرا کر خود سمندر میں ڈوب مرتا ہے ۱۲

مجھ پہ احساں کر گئی وعدہ فراموشی تری — بیوفائی ہی نے دکھلائے شہادت کے مزے

کوہکن بھی داستاں کو میری سنکر بول اُٹھے — کاہے کو چکھے تھے میں نے یہ مصیبت کے مزے

گو سراپا آرزو تھا تیرا پیمانِ وفا — پر ملے دھوکے میں بھی ہم کو حقیقت کے مزے

آہ! اُمّیدِ حصولِ مرہمِ مقصود میں — لوٹے ہیں کیا کیا مرے دل نے جراحت کے مزے

ذائقہ دردِ محبّت کا تن آسانوں کو کیا — جانتے ہیں اہلِ ہمّت ہی مصیبت کے مزے

بحرِ اُلفت میں تھا طوفانِ شدائد کا خطر — سب بُھلا دیتے تھے پر اُمّیدِ راحت کے مزے

بیوفا یارِ ستم پیشہ اگر نکلا تو کیا — کم نہیں راہِ وفا میں استقامت کے مزے

جامِ وصلت سے نہیں کم مجھ سے حرمانِ دوست کو — یہ خمارِ نشۂ صہبائے اُلفت کے مزے

بوالہوس ہی کو مبارک وعدۂ اُلفت ترا — ہم اُٹھائینگے بس اب ایثارِ غیرت کے مزے

جان دینگے اب تو قعرِ بحرِ ناکامی میں ہم — پائینگے گمنامیٔ مرقد میں شہرت کے مزے

چھُٹ گئے اُمّید کے پھندوں سے اب نیرنگ ہم
یاس نے ہم کو دئیے عیش و مسرّت کے مزے

صدائے اسلام

گلشنِ عرفاں کو دینے رنگ و بو آیا ہوں میں
اس چمن میں بنکے آئینِ نمو آیا ہوں میں

دردِ دل ہی حضرتِ انساں کے دکھ کی ہے دوا
دل میں بنکر دردِ دل کی آرزو آیا ہوں میں

جس سے مستوں کو چھکایا تھا خلیل اللہ نے
بزم میں لیکر وہی جام و سبو آیا ہوں میں

نا امیدوں کو سنایا میں نے پیغامِ امید
ساتھ لیکر مژدۂ لاتقنطوا آیا ہوں میں

روح کو ہوں قبلۂ حق کے لئے قبلہ نما
دل میں بنکر رازِ جاں کی جستجو آیا ہوں میں

ظلمتِ کثرت کی چھائی تھی گھٹا چاروں طرف
مہرِ وحدت ہوں چمکنے سو بسو آیا ہوں میں

تھا یہ بازارِ جہاں میں اک متاعِ کس مپرس
گوہرِ حکمت کی بنکر آبرو آیا ہوں میں

بھائی بھائی نوعِ انساں کو بنا دوں تو سہی
ہاں مٹانے ہستیِ غیر و عدو آیا ہوں میں

عدل سے الفت ہے مجھکو مفسدے سے بیر ہے
امن پھیلانے جہاں میں چار سو آیا ہوں میں

سنتِ باری کی ہے احکام میں میرے جھلک
اصلِ فطرت کے مطابق ہو بہو آیا ہوں میں

سب رسولوں کی زبانوں پر مرا افسانہ تھا
شمعِ بزمِ راز تھا میں - ہر نبی پروانہ تھا

اختلافِ فرع کی گو ڈال رکھی تھی نقاب
جلوہ گر اوّل سے میرا عارضِ جانانہ تھا

دم مرا بھرتا تھا موسیٰ میرا شیدا تھا خلیل
عیسیٰ مریم بھی میرے حُسن کا دیوانہ تھا

دَورِ آخر میں کیا کامل مجھے اس نُور نے
جس کی شمعِ بزم کا رُوح الامیں پروانہ تھا

جلوہ گر وُہ نور تھا اس کی جبینِ ناز میں
دیدۂ موسیٰ جھلک سی جسکی حیرت خانہ تھا

تاڑنے کو تاڑ ہی جاتے ہیں اربابِ نظر
ہیم کے پردے میں چھپنا نازِ معشوقانہ تھا

سب بنی آدم کو اُس نے ایک کُنبہ کر دیا
اُس کے حُسنِ خُلق سے اپنا ہر اک بیگانہ تھا

بن گیا فیضِ قدم سے اُس کے فردوسِ بریں
ورنہ ریگستانِ یثرب کیا تھا؟ اک ویرانہ تھا

اُس کا اک اک فعل انساں کی محبّت سے بھرا
اُس کا اک اک قول دلسوزانہ ـ ہمدردانہ تھا

اُس کے ہاتھوں سے بنا اک نخلِ سبز و بارور
مَیں خلیل اللہ کا بویا ہوُا اک دانہ تھا

تم سے خود اپنا علاجِ دردِ نکبت ہو تو ہو
نسخۂ امدادِ خود کردن سے صحت ہو تو ہو

پھُوٹ کی تلوار نے زخمی کیا جس قوم کو
اُس کا درماں نوشدارُوئے اخُوّت ہو تو ہو

کینہ و بُغض و حسد ہیں میرے مسلک سے بعید
جوشِ اُلفت ہو تو ہو ـ دردِ محبّت ہو تو ہو

عزّتِ دُنیا کا رستہ ـ حُرمتِ عُقبیٰ کی راہ
شاہراہِ سُنّتِ ختمِ رسالت ہو تو ہو

قوم کی غلطی کو ثابت کر چکے ہیں واقعات
اِس پہ بھی اصرارِ استدلال و حُجّت ہو تو ہو

ماننے میں جو نہ آئیں ہادیٔ مشفق کی بات
خیر و برکت ہو تو کیونکر؟ بیدلی کے کام میں
تجربہ ہی اہلِ غفلت کے لئے استاد ہے

ایسے لوگوں کی اگر ایسی بری گت ہو تو ہو
صدقِ نیّت ہو تو ہو۔ جوشِ ارادت ہو تو ہو
خود زمانہ رہبرِ راہِ ہدایت ہو تو ہو

عزّت و ذلّت کا کیا احساس جب غیرت نہیں
جوشِ غیرت رہنمائے راہِ ہمّت ہو تو ہو

سودائے خام

جو ہو مجھ سے پیار تم کو۔ جو ہو تم سے پیار مجھ کو —— نظر آئے خارِ ہستی گُلِ نوبہار مجھ کو!

یہ ضیائے مہرِ تاباں
یہ فضا یہ سبز پودے
بکمالِ حسن و زینت
میری زیست کا ترانہ

یہی آنی جانی گھڑیاں
یہی گل، یہی پرندے
مجھے دیں نویدِ راحت
ہو سرودِ دلبرانہ!

نہ یہ سب بُری صدائیں کریں بیقرار مجھکو —— جو ہو مجھ سے پیار تم کو جو ہو تم سے پیار مجھکو!

جو ہو مجھ سے پیار تم کو!
مگر آہ! یہ کہاں ہو؟

کوئی انقلاب آئے — تو وہ دن مجھے دکھائے
کہ ہو شہ گدا کا مہماں — ہو زمیں پہ مہ خراماں
میری خوش نصیبیوں کا — ہو ہر ایک زباں پہ چرچا
میرے عشق کی حکایت — بنے دفتر مسرت
کرے مست عیش دائم مئے دید یار مجھکو — "جو ہو مجھ سے پیار تم کو جو ہو تم سے پیار مجھکو"

"جو ہو تم سے پیار مجھ کو" — میری عمر یوں بسر ہو
کروں غرق بحر نسیاں — غم دہر و فکر ساماں
یہ مشقت پشیماں — یہ ہجوم یاس و حرماں
انہی قدموں میں پڑا ہوں! — تمہیں مسکراتے دیکھوں!
میری زیست ہو محبت — کرم مغان الفت
مے بیخودی پلا کر کرے ہوشیار تجھ کو — "جو ہو مجھ سے پیار تم کو جو ہو تم سے پیار مجھکو!"

"جو ہو مجھ سے پیار تم کو جو ہو تم سے پیار مجھکو" — مگر آہ! تم بتوں کا نہیں اعتبار مجھ کو
یہ کہاں ہے اپنی قسمت — کہ ہو مجھ سے تم کو الفت!
تمہیں حسن و خود پرستی — مجھے عشق و حال مستی

ملیں پھر جو ہم تو کیونکر؟ / جئیں یوں ہی زندگی بھر!
دمِ واپسیں تک لے جاں! / رہیں دل کے دل میں ارماں!
پسِ مرگ بھی کھٹکتا یہ جگر میں خار جائے! / لبِ گور بھی تڑپتا دلِ بیقرار جائے!

حالتِ قوم

دل بھر آیا قوم کی حالت پریشاں دیکھ کر / رو پڑے ہم اپنی بربادی کے ساماں دیکھ کر
یاد آئی ہم کو خزاں میں عشرتِ ایامِ گل / حالِ بلبل غیر ہے رنگِ گلستاں دیکھ کر
اب کہاں وہ دن ہیں کہ جب خیرہ تھی چشمِ آفتاب / شوکتِ اسلامیاں کے ساز و ساماں دیکھ کر
صولتِ اہلِ عرب کی دھوم تھی آفاق میں / کانپ جاتے تھے انہیں سام و نریماں دیکھ کر
ایسی قوت رکھتے تھے بغداد کی شاہی کے شاہ / سر جھکاتا تھا جنہیں گردونِ گرداں دیکھ کر
قوم کا گلزار ایسا تازہ و شاداب تھا / پھیکا پڑ جاتا تھا جسکو رنگِ بستاں دیکھ کر
دفترِ عبرت ہیں یہ لاہور و دہلی کے کھنڈر / سیکھ کچھ اے دل یہ اوراقِ پریشاں دیکھ کر
سیکھ لو کچھ تم بھی ریگِ عرصۂ تاریخ پر / جا بجا نقشِ قدم ہائے بزرگاں دیکھ کر
ہار مت ہمت کو تو اے راہگیرِ حبِ قوم / دشتِ کوشش کو پُر از خارِ مغیلاں دیکھ کر

المدد ہمت! کہ دل سے آرزو چلنے کو ہے
غلبۂ اندوہ و استیلائے حرماں دیکھ کر

کیا رہے محروم اپنی ہی تمنا کی صدف
ہاں! برسنا چاہیئے آئے ابرِ نیساں دیکھ کر!

آرزو تو گدگداتی ہے ارادے کو مگر
دل بجھا جاتا ہے حالِ شوقِ یاراں دیکھ کر

ناخلف ہونے پہ اپنے اب بھی آتی ہے شرم
ایک عالم کو بزرگوں کا ثنا خواں دیکھ کر

جادۂ تعلیم پر اقوامِ مغرب ہیں رواں
علم میں خاصیتِ مہرِ سلیماں دیکھ کر

ہے تردد پا کے کشتِ آرزوئے قوم کو
رو پڑے ہم جانبِ ابرِ بہاراں دیکھ کر

کیا کوئی قسمت کو اپنی روئے جب سنبھلے نہ قوم
اپنی بربادی کے آثارِ نمایاں دیکھ کر

ہندوؤں کی ہے ہمارے سامنے اچھی مثال
کیوں نہ عبرت گیر ہو انساں کو انساں دیکھ کر

ہے ازل سے قاعدۂ زیست کے شطرنج کا
اور قومیں کیوں نہ جیتیں ہم کو ناداں دیکھ کر

کاش ہو ایسی یکایک قوم کی حالت درست
جیسے جاگ اٹھے کوئی خوابِ پریشاں دیکھ کر

وہ بہاریں دورِ گردوں نے بھلائی ہیں کہاں
خلد شرمائے ہمارا باغِ ویراں دیکھ کر

قوم کا غم جاں گزا ہے جس قدر روئیں سو کم
ہاں! مگر اپنی بساط اے چشمِ گریاں! دیکھ کر

کیوں ہم پہ ہیں یہ قہر کی آفت کی نگاہیں
اُلفت کی نگاہیں نہ محبّت کی نگاہیں

مت پوچھ کہ کیا کیا نہ ستم ڈھا گئیں دل پر
شرمائی ہوئی تیری شرارت کی نگاہیں

افسوں تھیں کہ جادو تھیں کہ فتنہ تھیں کہ بجلی!
آفت کی نگاہیں تھیں قیامت کی نگاہیں

کیا قہر کی باتیں تھیں تری پیار کی باتیں!
آفت کی نگاہیں تھیں محبّت کی نگاہیں!

ہونے کو گل و لالہ بھی ہیں شمس و قمر بھی
تیری ہی طرف اُٹھتی ہیں خلقت کی نگاہیں!

تم بھی تو سنو آ کے کبھی تم بھی تو دیکھو
ارمان کی باتیں مری حسرت کی نگاہیں

حُسن جلوے کی رہتی ہے تلاش آپکو نیرنگ!
گھبرائی ہوئی پھرتی ہیں حضرت کی نگاہیں!

کٹ گئی بے مدعا ساری کی ساری زندگی!
زندگی سی زندگی ہے یہ ہماری زندگی!

کیا ارادوں سے ہو حاصل؟ طاقت و فرصت کہاں؟
ہائے! کہلاتی ہے کیوں بے اختیاری زندگی؟

اے سرِ شوریدہ! اب تیرے سوا کیا ہو گئے؟
کیا سدا سے تھی یہی غفلت شعاری زندگی؟

درد الفت کا نہ ہو تو زندگی کا کیا مزا!
آہ و زاری زندگی ہے بیقراری زندگی

آرزوئے زیست بھی ہاں گر نہ دے دید ہے
تو نہ پیارا ہو تو مجھکو ہو نہ پیاری زندگی

اور مرجھا جائیگی تیری چھیڑ سے دل کی کلی
گر نہ تو پھر مجھ پہ آئے بادِ بہاری زندگی

ہاں تو اے نیرنگ! دونوں کے لئے ساماں ہیں
موت بھی مجھ پر گراں ہے گر ہے بھاری زندگی

کبھی صورت جو مجھے آ کے دکھا جاتے ہو
دن مری زیست کے کچھ اور بڑھا جاتے ہو

اک جھلک تم جو لب بام دکھا جاتے ہو
دل پہ اک کوندتی بجلی سی گرا جاتے ہو

میرے پہلو میں تم آؤ یہ کہاں میرے نصیب
یہ بھی کیا کم ہے؟ تصور میں تو آ جاتے ہو

تازہ کر جاتے ہو تم دل میں پرانی یادیں
خواب شیریں سے تمنا کو جگا جاتے ہو

اپنی ہم کو بھی دکھاتے ہو مسیحا نفسی
حسرت مردہ کو آ آ کے جلا جاتے ہو

دل کے دل ہی میں رہے سینکڑوں ارماں میرے
کوئی آنا ہے یہ! کیا آتے ہو کیا جاتے ہو

نگہِ لطف میں جادو ہے تمہاری جاناں!
سارے شکوے گلے اک پل میں بھلا جاتے ہو

شعلۂ طور سے تو وادئ ایمن ہی جلا
تم جہاں آتے ہو اک آگ لگا جاتے ہو

ہے تو نیرنگ! وہی عشق کا رونا دھونا

انہی باتوں میں بنا رنگ دکھا جاتے ہو

نہ کیونکہ اہلِ نظر کو رلائے خندۂ گل؟ | فسردگی ہی تو ہے انتہائے خندۂ گل

کرشمہ خیزیٔ الفت سے کیا تعجب ہے | سنے جو گوشِ عنادل صدائے خندۂ گل

ہجومِ غم سے نہ مایوس باغِ دہر میں ہو | گرفتہ خاطری ہے ابتدائے خندۂ گل

بہار سی کے جولانی ہے کیا ہی موزوں ہے | تنِ عروسِ چمن پر قبائے خندۂ گل

جھلک رہا ہے عجب آب و تاب سے جوبن | بہار اوڑھے ہوئے ہے ردائے خندۂ گل

وہ خندہ لب جو کبھی آگئے تو دیکھیں گے | چمن میں بند ہو تو رہی ہے ہوائے خندۂ گل

خزاں کو آنے دے مت بھول موسمِ گل پہ | رلائے گی تجھے بلبل ہوائے خندۂ گل

کوئی پرایا ہوا اپنا ہو ہنس کے خلق سے مل | یہ کہتی ہے تجھے غافل ادائے خندۂ گل

یہ عین قہقہہ کیا کام اشکِ شبنم کا؟ | کوئی تو درد نہاں ہے قفائے خندۂ گل

فنا غرض کے سبب ہوں کان تو سنے تو بھی
صدائے نغمۂ رنگیں نوائے خندۂ گل

یہ شایاں ہے عاشق کا دستور رہنا | ترے جور سہہ کر بھی مسرور رہنا

غضب ہے رقیبوں سے لگ لگ کے چلنا
مگر ہم غریبوں سے یُوں دُور رہنا

بقا بعدِ مُردن اگر ہے تو یہ ہے
ہمیشہ زمانے میں مشہُور رہنا

وہ قسمیں کہ اُن سے نہ ملینگے ہرگز
مگر دل کے ہاتھوں سے مجبُور رہنا!

ستم ہے ہمارے ہی دل میں سمانا
ہماری ہی آنکھوں سے مستُور رہنا

تری مست آنکھوں سے سیکھا ہے میں نے
شرابِ تخیّل سے مخمُور رہنا

جلانے کو لایا ہُوں میں رختِ ہستی
خبردار او شعلۂ طُور رہنا

بنا دے اسے غیرتِ قصرِ جنّت
مرے دل میں اَے غیرتِ حُور رہنا!

جو ان سے ملوگے تو جھینکوگے نیرنگ
بُتوں سے ذرا دُور ہی دُور رہنا

فریبِ آرزُو نیرنگِ تاثیرِ فغاں تک ہے
طلسمِ اعتبارِ عہد و پیمانِ بُتاں تک ہے

دلِ عاشق سے پُوچھو عشق کی تلخی کے چٹخارے
کہ زہرابِ محبّت کی حلاوت کامِ جاں تک ہے

ڈبویا نخوتِ گوہر نے اُستادِ ملائک کو

رسائی خاک کی خلوت سرائے لامکاں تک ہے

قفس کھل جائے تو میں پر شکستہ ہی پہنچ جاؤں
کہاں کا فاصلہ ایسا قفس سے آشیاں تک ہے

چمن زارِ تصوّر ہی میں محوِ دیدِ گل ہوں میں
بہت تھوڑا تفاوت یاں قفس سے آشیاں تک ہے

بر آئے گی امیدِ بلبلِ آفت طلب۔ یعنی
نہیبِ برقِ سوزاں آشیاں سے آشیاں تک ہے

فدا ہو آپ پر کوئی تو کس امید پہ آخر؟
وفا کا آپ کی خو میں کہیں نام و نشاں تک ہے؟

بہت ہمدردیاں ہیں کوہکن کی نیشترانی سے!
کبھی اے کاش! دیکھو میری جاں کاہی کہاں تک ہے

تم اپنی دلنوازی کے بہت احساں جتاتے ہو
ذرا یہ بھی تو دیکھو میری جانبازی کہاں تک ہے

تیری توفیق یاور ہو تو سارے کام سیدھے ہیں
یہ ناکامی کا کھٹکا میری سعیِ رائگاں تک ہے

رانہیں کر کے جُدا آرام سے سب بیٹھ جائینگے
عناصر کی کشاکش اتحادِ جسم و جاں تک ہے

وہ بے مہر اور غیروں سے وفا؟ کیونکر یقیں آئے
تکلّف برطرف ہاں میرے رشکِ بدگماں تک ہے

مری نظروں میں زاہد! اور ہی جلوے سمائے ہیں
نظر تیری تو حُسنِ حُور و غلمانِ جناں تک ہے

غزل میں لُطف ہی اب کیا ہے لیکن کچھ جو باقی ہے
سو تقلیدِ ادائے غالبِ معجز بیاں تک ہے

کوئی نیرنگ! لُطفِ جدّتِ مضموں تو دکھلائے
یہ اندازِ خصوصیّت تو بس طرزِ بیاں تک ہے

مانوس کیوں نہ ہو دلِ وحشی حبیب سے
اک یارِ دلنواز ملا ہے نصیب سے

کہہ دی گئی دور سے نگہِ شوق وہ پیام
الفاظ جس کو کہہ نہیں سکتے قریب سے

اک ہجر و وصل کیا، کسی حالت میں کل نہیں
ہیں تیرے واسطے دلِ ناداں! عجیب سے

اے وائے نارسائیِ دستِ درازِ شوق
اور آپ کا نکل کے وہ جانا قریب سے

ہم نے انہیں سنا ہی دیا ماجرائے دل
حال مریض کیونکہ چھپاتے طبیب سے

اللہ رے انکی اٹھتی جوانی کی شوخیاں
بچپن میں تھے جو بھولے سے چپ چپ غریب سے

جلنے کے دل کو اور جلانا ضرور تھا
ہم نے نوازشیں تری کہدیں رقیب سے

لاکھوں گلوں میں اک اسی جلوے کی ہے تلاش
سیکھو اصول اہل نظر ا عندلیب سے

تحسین حسن یار میں میرا ہے ہم خیال
نیرنگ! کیوں نہ ہو مجھے الفت رقیب سے

دل لگانا کوئی آفت ہی سہی
اب تو جھنجلاینگے مصیبت ہی سہی

کب کہا میں نے کہ دل سے چاہو
آ کے وہ منہ دیکھے کی الفت ہی سہی

مردہ منتظر حشر ہوں میں
آپ کا نام قیامت ہی سہی

میں بھی ہوں عشق میں رسوائے جہاں
حسن میں آپ کی شہرت ہی سہی

ہے مسافر کو نگہ بھی کافی
نہیں الفت تو مروت ہی سہی

مجھ سے ہو انس تو احساں کیجے
غیر سے آپ کو نفرت ہی سہی

ہم بھی یاد آئینگے سر چڑھ کے کبھی
بھول جانا تری عادت ہی سہی

کچھ تو لایا ترے در سے نیرنگ

آخری دید کی حسرت ہی سہی

نوید یاس دیتی ہے مجھے ہر آرزو میری
نہ کر مٹّی خراب اے سعیِ بیچ انجام تو میری!

چھپے ہو سات پردوں میں بھی تم تو اس سے کیا حاصل؟
تمہارے عشق میں رسوائیاں ہیں کو بہ کو میری

چھپو گے کیا بھلا ذوقِ طلب بھی تم نے دیکھا ہے
ورائے لامکاں ہے انتہائے جستجو میری

یہ پیچ و تاب یہ اُلجھن۔ یہ اندازِ پریشانی
کہانی تیرے گیسو کہہ رہے ہیں مُو بمُو میری

جہت کی قید کو توڑا ہے سودائے محبّت نے
لگی ہیں تیرے چہرے پر نگاہیں سُو بسُو میری

ترا انصاف جب مجھ کو ذرا آنکھیں دکھاتا ہے
بندھا دیتا ہے ڈھارس مژدۂ لاتقنطوا میری

طلب نے کھائی ہیں وُہ ٹھوکریں راہِ تمنّا میں

کہ آخر مجھ سے شرمانے لگی ہے آرزو میری

وہ گُل ہوں سادگی میں میری سو رنگینیاں نکلیں
مشامِ رُوح کو بھاتی ہے بھینی بھینی بو میری

مرا ہر لفظ سادہ اک صدف ہے دُرِّ معنی کا
سمجھ پیدا کرے تو کوئی سمجھے گفتگو میری

تصنّع کا نہیں احسان میری قدر و قیمت پر
ملی فطرت سے مجھکو مثلِ گوہر آبرو میری

سلاست مانعِ مشکل پسندی ہو نہیں سکتی
ادق ہے حضرتِ نیرنگ طرزِ گفتگو میری

برکھا رُت

جھوم جھوم آئی ہیں مستانہ گھٹائیں کیا کیا
رات دن چلتی ہیں جاں بخش ہوائیں کیا کیا!

دی ہے برسات کے جھونکوں نے نویدِ رحمت
ورنہ کیں خلق پہ گرمی نے جفائیں کیا کیا!

آہ! کوئل کی یہ تانیں یہ پپیہے کا الاپ
شورش انگیزِ جنوں ہیں یہ صدائیں کیا کیا!

اُٹھتی ہیں سینکڑوں بے نام اُمنگیں اس میں
آگ سی دل میں لگاتی ہیں ہوائیں کیا کیا!

برق کو دیکھ کے کیا دل پہ گھٹا سی چھائی
بجلیاں دل پہ گراتی ہیں گھٹائیں کیا کیا!

آہ! اے چاند! بہاروں پہ ہے تیرا جوبن | تو نے برسات سے سیکھی ہیں ادائیں کیا کیا!
کج کلاہانِ گل و غنچہ کی سج دھج کیا خوب | جامہ زیبانِ چمن کی ہیں قبائیں کیا کیا!

کس قدر گوہر و الماس بکھیرے نیرنگ!
خسروِ ابر کی ہیں ہم پہ عطائیں کیا کیا!

عید اور انتظارِ یار

کہتے ہیں عید ہے آج۔ اپنی بھی عید ہوتی | ہم کو اگر میسّر جاناں کی دید ہوتی
قیمت ہیں دیدِ رُخ کی ہم نقدِ جاں لگاتے | بازارِ ناز لگتا۔ دل کی خرید ہوتی
کچھ اپنی بات کہتے کچھ میرا حال سنتے | ناز و نیاز کی یوں گُفت و شنید ہوتی
جلوے دکھاتے جاتے وُہ طرزِ دلبری کے | اور دل میں یاں ہوائے نازِ مزید ہوتی
تیغِ نظر سے دل پر وُہ وار کرتے جاتے | اور لب پہ یاں صدائے ھَل مِن مَّزید ہوتی
ابرو سے اُن کے غمزہ تیرِ ادا لگاتا | یہ دل قتیل ہوتا۔ یہ جاں شہید ہوتی
کچھ حوصلہ بڑھاتا اندازِ لُطفِ جاناں | کچھ دغدغہ سا ہوتا۔ کچھ کچھ امید ہوتی
لیکن یہاں تو حرماں ہے ثمرۂ تمنّا | کیوں قفلِ آرزو کی پیدا کلید ہوتی

آنکھیں ترس رہی ہوں جب اسکی اک جھلک کو
نیرنگ منتظر کی کیا خاک عید ہوتی

فغان و آہ کس امید پر کرے کوئی
وہ کہتے ہیں ترے نالوں سے کیوں ڈرے کوئی

یہی بدا تھا مقدر میں روز اول سے
کسی کے حسن جہاں سوز پہ مرے کوئی

بتوں سے کس کو امید وفائے الفت ہے
عبث کسی کی محبت کا دم بھرے کوئی

تری جفاؤں نے اُن کے دل کو سمجھایا
یہ نامراد نہ مانے تو کیا کرے کوئی

سکھا دیا ہے کہیں کس نے ہیں والوں نے
کسی سے رہنے لگا ہے پرے پرے کوئی

سوال وصل نہیں شرح شوق دید نہیں
تمہارا حرج ہے اگر تم پہ یوں مرے کوئی

پیام مرگ ہے عشق پری رخاں نیرنگ!
نہ ہو یہ روگ تو کیوں بے اجل مرے کوئی

وہ دست وحشت و چاک گریباں یاد آتے ہیں
جنون فتنہ ساماں کے وہ ساماں یاد آتے ہیں

کہاں وہ ہمتیں اگلی سی ولولے محبت کی
وہ پہلے دشت پیما وہ بیاباں یاد آتے ہیں

ہجوم یاس نے کیسی ہی محفل اجاڑی ہے
ہمیں محشر میں وہ اپنے ارماں یاد آتے ہیں

کبھی اک اک نگاہیں تیری سو سو جاں نوازی تھی ۔ ترے انداز وہ اے لطفِ جاناں یاد آتے ہیں

کبھی الطافِ پنہاں کا سماں آنکھوں میں پھرتا ہی ۔ کبھی تیرے ستم ہائے نمایاں یاد آتے ہیں

وہ فقرے وہ نگاہیں وہ ادا وہ عشوۂ پیہم ۔ وہ تیر و نشتر و شمشیر و پیکاں یاد آتے ہیں

جفائیں آپ کی ہم کو بھلا دیں طولِ فرقت نے ۔ اگر کچھ یاد آتے ہیں تو احساں یاد آتے ہیں

محبت اٹھ گئی کچھ رنگ ہستی ہی نرالا ہے ۔ وہ اگلی صحبتیں وہ اگلے انساں یاد آتے ہیں

وہ شغلِ عاشقی نیرنگ! کچھ ہو پھر بھی اچھا تھا
ہمیں اب تو تمنا میں وہ حرماں یاد آتے ہیں

پھر وہی ہم ہیں خیالِ رخِ زیبا ہے وہی ۔ سرِ شوریدہ وہی عشق کا سودا ہے وہی

دانہ و دام سنبھالا مرے صیاد نے پھر ۔ اپنی گردن ہے وہی عشق کا پھندا ہے وہی

پھر لگی رہنے تصور میں وہ مژگانِ دراز ۔ رگِ جاں میں خلشِ خارِ تمنا ہے وہی

پھر لگا رہنے وہی سلسلۂ راز و نیاز ۔ جلوۂ حسن وہی ذوقِ تماشا ہے وہی

پھر ہوا ہم کو دل و دیں کا بچانا مشکل ۔ نگہِ ناز کا پھر ہم سے تقاضا ہے وہی

ناز نے پھر کیا آغاز وہ اندازِ نیاز ۔ حسنِ جانسوز کو پھر سوز کا دعویٰ ہے وہی

محوِ دیدارِ چمن حسن ہے پھر دیدۂ شوق ۔ گلِ شاداب وہی بلبلِ شیدا ہے وہی

پھر چمک اُٹھی وہ کجلائی ہوئی چنگاری — رخت ہستی ہے وہی عشق کا شعلہ ہے وہی
آرزو جی اُٹھی پھر پیار جو اُس بت نے کیا — پھر لب یار میں اعجاز مسیحا ہے وہی
پاس ناموس نے پھر رخصت رفتن چاہی — شہرت حسن وہی اُلفت رسوا ہے وہی

پھر ہوئی لیلی و مجنوں کی حکایت تازہ
اُن کا عالم وہی نیرنگ کا نقشہ ہے وہی

میرے پہلو سے جو نکلے وہ مری جاں ہو کر — رہ گیا شوق دل زار میں ارماں ہو کر
زیست دشوار ہے ہنس کھیل کے کاٹو اسکو — گل نے یہ راز بتایا مجھے خنداں ہو کر
اشک شادی ہے یہ - کچھ تُردہ صبا لائی ہے — شبنم آلودہ ہوا پھول جو خنداں ہو کر
تلخیاں ایسی مناسب نہیں شیرینی سے — بدمزہ مجھ سے نہ ہوں آپ مری جاں ہو کر
ذرۂ وادی اُلفت پہ مناسب ہے نگاہ — فلک حسن پہ خورشید درخشاں ہو کر
شوخیاں اُس نگہ زیر مژہ کی مت پوچھ — دل عاشق میں کھُبی جاتی ہے پیکاں ہو کر
شدت شوق شہادت کا کہوں کیا عالم — تیغ قاتل پڑی سر پہ مرے احساں ہو کر
ابر چھاتا ہے تو دھیان آتا ہے کس کا مجھے — کوندتی برق ہے یاد رخ تاباں ہو کر
اب تو وہ جھوٹا مرے عشق کو کہتے ہی نہیں — خود ہی آئینے کو تکنے لگے حیراں ہو کر

ہم نے باندھے ہیں مضامین کہن بھی نیرنگ!
رنگ پر اپنا چمکتا ہے نئی شاں ہو کر

ہم تو بھر پاتے جو تو بھی کہیں مائل ہوتا
تیرے لب پر بھی یہی شکوہ باطل ہوتا

شرم ہے اے نگہِ شوق! کہ وہ کہتے ہیں
تجھ کو بلوا کے میں رسوا سرِ محفل ہوتا!

گر نتیجہ ہے توجہ کا یہی ظلم و ستم
کاش ظالم! تو مرے حال سے غافل ہوتا

بھیس عشاق کا بھرتے نہ کبھی اہلِ ہوس
عشق — اے کاش! ذرا اور بھی مشکل ہوتا

اضطرابِ دلِ عاشق کی حقیقت کھلتی
کاش اے جان! ترے پہلو میں مرا دل ہوتا

ارے ظالم! ترے پہلو میں یہ پتھر ہو گا
دل نہ جاتا مرے نالوں سے اگر دل ہوتا

یہ نرالی ہے تمنا دلِ آزار پسند
عشق تو چاہتا ہے اور بھی مشکل ہوتا

قہر تو یہ ہی قیامت ہو وہ جاناں نیرنگ!
بات ہی کیا تھی اگر ظالم و قاتل ہوتا

تمت

بقلم مرغوب رقم